فہرست ششماہی
مضمون نگاران معارف
۱۸۱ویں جلد
ماہ جنوری ۲۰۰۸ء تا ماہ جون ۲۰۰۸ء
(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	مضمون نگار	صفحات
۲۴	جناب قاضی عبدالاحد ازہری، قاضی شریعت دار القضاء، مالیگاؤں	۲۹۳
۲۵	پروفیسر عبدالاحد رفیق، اپر سورہ سری نگر، کشمیر	۵۰
۲۶	پروفیسر عبدالحق، سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی	۳۴۸
۲۷	پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، ڈائریکٹر سیرت چیر اسلامیہ یونی ورسٹی، بھاول پور	۱۷۷
۲۸	(مولانا) عبدالعلی فاروقی، مدیر ماہنامہ ''البدر''، کاکوری لکھنؤ	۲۸۵
۲۹	جناب عبدالعلیم قدوائی صاحب، زاہدہ منزل ۴/۸۷۳، نیو فرینڈ کالونی، علی گڑھ	۳۰۹
۳۰	جناب عبداللہ شاہ ہاشمی، لاہور	۳۶۶
۳۱	(مولانا) عبد الماجد دریابادیؒ	۱۴۹
۳۲	مولانا عتیق الرحمان سنبھلی صاحب 90B Hanley Road London	۴۷۱
۳۳	جناب عتیق جیلانی سالک صاحب، رضا لائبریری، رام پور	۱۴۰
۳۴	جناب حافظ عمیر الصدیق ندوی	۷۴، ۱۵۴، ۱۶۲، ۲۳۷، ۲۴۲، ۳۱۷، ۳۹۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۷
۳۵	جناب غلام محمد صاحب، ۲۹۵ بلاک، ۸۹۷، بی پی برار سوسائٹی کراچی نمبر-۵	۱۵۲، ۲۱۸
۳۶	جناب فاخر جلال پوری صاحب جلال پور ضلع امبیڈکر نگر، یوپی	۲۸۹
۳۷	جناب فیروز الدین احمد فریدی صاحب، کھٹوال ہاؤس، باتھ آئی لینڈ، کراچی، پاکستان	۲۴۵
۳۸	کلیم صفات اصلاحی، رفیق دار المصنفین	۷۰، ۱۴۵، ۲۰۱، ۲۹۶، ۳۸۸، ۴۶۵
۳۹	جناب لطف الرحمان فاروقی صاحب اسسٹنٹ پروفیسر دعوہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد	۵، ۱۰۷
۴۰	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادب کدہ مہراج پور، انور گنج، اعظم گڈھ	۱۲۵
۴۱	ڈاکٹر محمد انظر ندوی، گیسٹ لیکچرر مرکز ادبیات عربی انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونی ورسٹی حیدرآباد-۷	۲۵
۴۲	جناب محمد تقی عثمانی، مدیر البلاغ استاذ حدیث، دار العلوم کراچی	۲۲۱
۴۳	پروفیسر محمد راشد ندوی، سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ	۸۵
۴۴	جناب محمد زبیر صدیقی صاحب پی نمبر ۶، سہروردی اوینو، کلکتہ ۱۷	۱۴۸
۴۵	جناب محمد علیم مختارے، B/605 کوہ نور اپارٹمنٹ، پٹیل اسٹیٹ روڈ، جوگیشوری ممبئی	۴۷۵
۴۶	ڈاکٹر محمد منصور عالم، ممبر پبلک سروس کمیشن، مغربی بنگال، ۱۶۱، ایس پی مکھرجی روڈ کولکاتہ	۶۱
۴۷	ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی صاحب ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ	۱۶۵
۴۸	جناب محمد یوسف الدین، قادریہ نشیمن، ترپ بازار، بلدہ حیدرآباد	۲۲۰
۴۹	ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی، بی-۱۰۴، بدر منزل پٹیل نگر، دی پی ناکا، بھیونڈی	۳۵۷
۵۰	جناب مسلم اعظمی صاحب نشان امین، دلسدگار، اعظم گڈھ	۲۳۴
۵۱	جناب وارث ریاضی صاحب کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج، ڈاکخانہ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار	۷۳، ۲۳۵، ۴۷۶
۵۲	جناب یعقوب اسماعیل منشی، ۴۳، وارن اسٹریٹ، سیوائل ٹاؤن ڈیوبری، ویسٹ یارک شائر، یوکے	۳۱۵

فہرست ششماہی

مضامین معارف

۱۸۱ ویں جلد

ماہ جنوری ۲۰۰۸ء تا ماہ جون ۲۰۰۸ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

معارف

جنوری ۲۰۰۸ء

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

ضیاء الدین اصلاحی

دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ۔ (ہند) ۲۷۶۰۰۱

مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۵۰/روپے۔ فی شمارہ ۱۵/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰/روپے

پاکستان میں سالانہ ۲۵۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰/روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ۵۰۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۷۰۰/روپے

نوٹ: (ہندوستانی روپے کے حساب سے رقم قبول کی جائے گی۔)

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

حافظ سجاد الٰہی ۷۶ اے، مال گودام روڈ، لوہا مارکیٹ، بادامی باغ، لاہور، پنجاب (پاکستان)

Mobile: 3004682752 ----- Phone: (009242) 7280916 5863609

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۸۱ ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ماہ جنوری ۲۰۰۸ء عدد ۱

فہرست مضامین

مقالات

ادبیات

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

email : shibli_academy@rediffmail.com : ای میل

www.shibliacademy.org : ویب سائٹ

شذرات

ہندوستان جیسے ملکوں میں مسلم اقلیت کے تشخص کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے، مسلمان اس کے لیے عموماً حکومت کو موردالزام قرار دیتے اور اپنے کو کسی طرح کا ذمہ دار نہیں سمجھتے، حالانکہ ان کے قومی وملی تشخص کے ختم ہونے اور ان کی شناخت ان کے اپنے رویے ہی کا زیادہ دخل ہے کیونکہ وہ خود ہی اپنی تہذیب وروایات سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں اور اسلام کے احکام وہدایات پر عمل نہیں کرتے جو ان کے تشخص اور پہچان کی ضامن ہوتی ہیں، مخالف اسلام اعمال وکردار کے مرتکب ہوکر اسلام کی ایسی قبیح اور بدنما تصویر پیش کرتے ہیں جس کا ان کی اصل پہچان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اسلام انہیں جن اعلا اوصاف وخصوصیات کا حامل بنانا چاہتا ہے، ان سے وہ کورے دکھائی دیتے ہیں، فساد اور بگاڑ کے جن جراثیم کا نام و نشان بھی ان کی زندگی میں نہیں ہونا چاہیے تھا ان کو مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا، وہ ایک ایک کرکے ان میں پیدا ہوگئے ہیں اور ان کے اسلامی وصف وامتیاز کو غارت کررہے ہیں، جو چیزیں ان کے ملی وجود اور اسلامی تشخص کے لیے سم قاتل تھیں وہی ان میں پھل پھول رہی ہیں اور جن اعمال کا شائبہ بھی ان کی زندگی میں نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ ان میں اس طرح رچ بس گئے ہیں کہ ان کی اپنی پہچان اور شناخت معدوم ہوگئی ہے، اس میں سارا عمل دخل ان کا اپنا ہے، اس کے لیے کسی کو ذمہ دار اور قصوروار نہیں کہا جاسکتا۔

ایک طرف اگر مسلمانوں نے اپنی ساری خصوصیات وامتیازات کو گنوا کر اپنی دینی پہچان اور ملی و قومی شناخت ختم کردی ہے تو دوسری طرف انہوں نے اپنے اندر وہ ساری خرابیاں اور عیوب پیدا کرلیے ہیں جو دوسری قوموں میں پائے جاتے ہیں، اس لیے ان میں اور دوسری قوموں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں رہ گیا ہے، مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ان کا عقیدۂ توحید تھا، وہ خداپرست تھے، سچائی اور حق پسندی ان کی امتیازی شان تھی، عدل وانصاف پر قائم رہنا، ظلم وتشدد، قتل وخوں ریزی، معصیت اور بدکاری، جھوٹ اور فریب سے بچنا ان کا شعار تھا، عفو ودرگزر، عدم انتقام، رواداری اور بے تعصبی ان کا شیوہ تھا لیکن اب ان سب سے وہ ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور توحید کی جگہ کفر وشرک کی خباثتوں میں پڑگئے ہیں، غیر موحد اور خدا بیزار قوموں کے طریقے ان کی زندگی کا جزء لاینفک ہوگئے ہیں، ملحدانہ خیالات وتصورات ان کے ذہن ودماغ پر چھائے ہوئے ہیں، غلط افکار واعمال، باطل رجحانات ونظریات اور جاہلی رسوم وعادات ان کی پہچان

ہوگئی ہے، انہوں نے اپنی معاشرتی زندگی میں تو ہم پرست قوموں کے سارے خرافات اور ان کی قبیح رسم ورواج داخل کرلیے ہیں جن سے اسلام نے انہیں نجات دلائی تھی، غرض اسلامی اوصاف وکمالات سے مسلمان بالکل عاری اور دوسروں کے رنگ میں پوری طرح رنگ چکے ہیں جس کا نہ انہیں کوئی غم ہے اور نہ یہ احساس کہ یہ سب کیا دھرا خود ان ہی کا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ملک کے حالات بگڑ گئے ہیں، ایسے ایمان سوز اور اسلام کش ماحول میں ایمان واسلام کی سلامتی کے لیے گوناگوں خطرات پیدا ہوگئے ہیں، یہ حالات قومی وملی تشخص اور مسلمانوں کی شناخت کو باقی رکھنے کے لیے بھی بہت ناسازگار ہیں مگر ایسے ناموافق حالات میں اپنے گھروں اور ماحول کو جاہلیت کی خوبو سے محفوظ رکھنا اور توحید وایمان کے نور سے فضا کو جگمگا دینا مسلمانوں کی شان رہی ہے، ایسے نازک دور میں بھی انہوں نے اپنی آنے والی نسلوں کے ایمان واسلام کی حفاظت وسلامتی اور ان کے تشخص وامتیاز کی بقا کا سامان وانتظام کیا ہے، پس ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جس شناخت اور پہچان کو گنوا بیٹھے ہیں، ان سے اپنے کو آراستہ کریں اور اپنی آیندہ نسلوں میں بھی اس کی بقا وتحفظ کا سامان کر جائیں، اس وقت بھی مسلمانوں کے بہت گھرانوں کی پرانی نسل کے لوگ تو اسلامی تہذیب وروایات پر قائم اور اپنی ملی وتہذیبی شناخت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن ان کی نئی نسلیں اسلام وایمان پر قائم اور استوار نہیں ہیں، وہ اسلامی طرز زندگی کو چھوڑ کر غیر قوموں کی ثقافت اور کلچر اختیار کرتی جارہی ہیں، یہ صورت حال کسی طرح بھی خوش آیند نہیں ہے، ہر شخص کی فطری طور پر یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ جن خوبیوں اور خصوصیات سے آراستہ ہے، اس کی اولاد اور اعزہ بھی ان سے آراستہ ہوں مگر یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ ہمارے بزرگ اپنے خردوں اور عزیزوں کی اسلامی تہذیب وروایات سے بعد اور بیگانگی پر ذرا بھی نہیں کڑھتے۔

اسلام نے بچوں کی ظاہری وجسمانی نشوونما اور باطنی وروحانی تربیت اور ذہن وکردار سازی پر بڑا زور دیا ہے، قرآن مجید کا حکم ہے کہ اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچائی یعنی ان تمام خرابیوں برائیوں اور ہلاکتوں سے اپنے کو اور ان کو محفوظ رکھیں جو جہنم میں پہنچانے والے ہیں، اچھے مسلمانوں کا یہ طریہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی صلاح وسعادت مندی کے لیے خدا سے دعا کرتے ہیں، انبیا علیہم السلام جس مشن پر مامور کیے جاتے ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آیندہ بھی فروغ پاتا رہے، اس کے لیے وہ اللہ سے دعائیں اور التجائیں کرتے ہیں کہ انہیں صالح اولاد عطا کر، حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ جب توحید اور خداپرستی کے مرکز خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو اس کے عالم گیر فیض کو جاری رکھنے کی التجا اور یہ دعا

کر رہے تھے کہ ہماری ذریت میں سے ایک فرماں بردار امت اٹھا اور ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، حضرت ابراہیم کو طویل العمری میں جب اللہ نے حضرت اسماعیلؑ واسحاقؑ کو دیا تو انہوں نے اس کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا، میں نے تیرے مقدس گھر کے پاس انہیں اس لیے بسایا ہے کہ یہ نماز کا اہتمام کریں، خداوندا مجھے اور میری اولاد کو نماز کا اہتمام کرنے والا بنا! حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو نماز وزکوۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے، حضرت زکریاؑ نے دعا فرمائی کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد اور ایک وارث بخش! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو بہترین وارث ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوبؑ کی وصیتوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو ملت ابراہیمی اختیار کرنے اور اس بات کی تلقین کی تھی کہ اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو منتخب کیا ہے تو تم نہ مرنا مگر اسلام کی حالت پر۔ حضرت یعقوبؑ ہی سے یہودی اور اسرائیلی نسلوں کا سلسلہ چلا ہے، ان کا دین اسلام تھا، یہودیت ونصرانیت سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا، اسی لیے قرآن مجید نے ان کی وصیت کو بہت نمایاں طور سے بیان کیا ہے کہ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی وفات کا وقت آیا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی پرستش کروگے، وہ بولے کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آبا واجداد ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی پرستش کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں، حضرت لقمانؑ کی یہ موعظت بھی بیان کی گئی ہے کہ ”اے میرے بیٹے اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے...... اے میرے بیٹے نماز کا اہتمام رکھو! نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو، بے شک یہ باتیں عزیمت کے کاموں میں سے ہیں اور لوگوں سے بے رخی نہ اختیار کرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو، اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو، بے شک سب سے مکروہ آواز گدھے کی ہے“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیا اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کو اپنی اولاد کے ایمان واسلام کی سلامتی اور عقیدۂ توحید میں پختگی واستحکام کا کس قدر خیال تھا کیونکہ اسی پر مذہبی وملی شناخت موقوف ہے، جس کے بقا وتحفظ کا مسئلہ ہندوستان کی اقلیت کو درپیش ہے۔

☆☆☆☆

مقالات

عہد رسالت میں عرب وحبشہ کے تعلقات

از:- جناب لطف الرحمان فاروقی ☆

حبشہ کا مختصر تعارف: عہد نبویؐ میں یہ ملک جزیرۃ العرب کے انتہائی جنوب میں واقع یمن اور بحیرۂ احمر کے مغرب میں براعظم افریقہ کے ملک سوڈان کے جنوب مشرق میں واقع تھا، ماضی میں حبشہ بحیرۂ احمر کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا، لیکن آج کل اریٹیریا، جبوتی اور صومالیہ اسے بحیرۂ احمر اور خلیج عدن سے جدا کرتے ہیں، دوسری جنگ عظیم تک اسے ابی سینیا کہا جاتا تھا مگر آج کل یہ ایتھوپیا کہلاتا ہے، ۱۹۸۳ء میں اریٹیریا ایتھوپیا سے الگ ہوا مگر عہد نبویؐ میں سلطنت حبشہ ایتھوپیا اور اریٹیریا اور جبوتی پر بھی مشتمل تھی، اس کا رقبہ دولاکھ ستانوے ہزار مربع میل تھا اور اس کا دار الحکومت اکسوم تھا، اس شہر کو اہل حبشہ نہایت مقدس سمجھتے تھے اور یہیں شاہان حبش کی تاج پوشی ہوتی تھی، اکسوم اریٹیریا کی بندرگاہ مصوع سے تقریباً سوا دو کلومیٹر فاصلے پر شمالی ایتھوپیا میں واقع ہے جو اریٹیریا کے دار الحکومت اسمرہ (اسمارا) سے جنوب مغرب کی جانب تقریباً ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا، یہاں اب تک اس قدیم شہر کے کھنڈر باقی اور اس کے نوکیلے برج مشہور ہیں، جن میں سے ایک کو اٹلی والوں نے اپنے استعماری دور میں روم میں لے جاکر نصب کیا تھا، عہد نبویؐ میں یہاں نجاشی اصحمہ حکمران تھا جو ایک عادل عیسائی شخص تھا، نجاشی شاہان حبش کا لقب تھا، اس کا خاندان چوتھی صدی عیسوی سے حبش پر حکمران تھا، یہ خاندان پہلے بت پرست تھا،

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

رومی شہنشاہیت نے مصر کے ذریعہ سے یہاں عیسائیت کی بنیاد ڈالی، اسکندریہ کے ایک بشپ نے یہاں اپنے مشن کا ایک مرکز قائم کیا، رفتہ رفتہ تمام ملک بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہوگیا۔

رجب ۵ نبوی میں حضرت عثمانؓ کی قیادت میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا قافلہ حجاز کی بندرگاہ شعیبیہ سے روانہ ہوا تھا اور تجارتی جہاز کے ذریعے بحر احمر پار کر کے حبشہ اور اریٹیریا کی بندرگاہ مصوع پر اترا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر اکسوم میں اصحمہ کے دربار میں پہنچا تھا، اکسوم اریٹیریا کے بندرگاہ مصوع سے تقریباً ۲۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر اور مکہ سے جنوب مغرب میں تقریباً ایک سو کلومیٹر دور، بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے اور جدہ سے بھی تقریباً اتنے ہی فاصلے پر جنوب میں واقع ہے، مدینہ منورہ سے قریبی بندرگاہ ینبع سے مصوع تقریباً ۱۰۰۰ کلومیٹر شمال میں واقع ہے، جب کہ مدینہ سے جدہ کا فاصلہ ۴۲۴ کلومیٹر ہے، چوں کہ یہ ملک مسلمانوں کی ہجرت کی اولین سرزمین تھی، اس لیے مسلمانوں نے اس کو ہمیشہ عقیدت کی نظر سے دیکھا اور اسے کبھی فراموش نہیں کیا، انہوں نے اپنے انتہائی دور عروج میں مشرق و مغرب کو مسخر کیا مگر حبشہ (ابی سینیا) کو معمولی سی آزار بھی پہنچنے نہ دیا، حالاں کہ وہاں عیسائیوں کی اکثریت تھی اور حکمران بھی عیسائی تھا، شاید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی پاس داری کرتے رہے:

"اہل حبشہ کو اس وقت تک نہ چھیڑو جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑیں"۔(۱)

حجاز حبشہ روابط: حجاز کا حبشہ سے تعلق نہایت قدیم ہے، قدیم زمانے میں چین اور ہندوستان کا تجارتی سامان یمن آتا اور خشکی کے راستے سے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جایا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ بزنطینیوں نے بحر احمر میں نقل و حمل شروع کی تو حجازیوں کا کاروبار خاص طور پر بہت متاثر ہوا، غالباً اسی وجہ سے حضورؐ کے پردادا ہاشم نے سخت جد و جہد کر کے اپنے ہم سایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کو لانے کی اجازت حاصل کی جو قرآن مجید میں ایلاف کے نام سے موسوم ہے، ابن سعدؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا بیان ہے کہ قیصر روم نے ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرماں روائے حبشہ کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھ کر دیا، ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا تو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بنا پر ان کے تجارتی کاروانوں کو حبشہ آنے کی اجازت دے دی۔

اس وقت حبشہ جانے کے دو ہی راستے تھے، حجاز سے خشکی کے راستے فلسطین اور مصر سے

ہوتے ہوئے جائیں یا جدہ کی بندرگاہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر باب المندب سے ہوتے ہوئے حبشہ کی کسی بندرگاہ پر جا اتریں، چنانچہ تجارت پیشہ اہل عرب ہر سال حبشہ آیا جایا کرتے تھے۔

حبشہ عرب روابط، زمانہ قدیم میں: جزیرہ نمائے عرب چونکہ تین براعظموں کے سنگم پر واقع ہے، اس لیے قدیم زمانہ سے اس کو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہے، راس امید کی راہ دریافت ہونے سے پہلے تک مشرقی ممالک کے ساتھ مغربی ممالک کے مواصلاتی اور تجارتی روابط کے لیے عرب ہی کی راہ استعمال ہوتی تھی اور اس سلسلے میں بحیرۂ احمر یا جزیرۃ العرب کے مغربی و مشرقی ساحلی شاہ راہ کے ذریعہ ہی سے یہ امور انجام پاتے تھے۔

ایک طرف یہ تجارتی قافلے عرب سے مصر و شام اور دوسری جانب ہند و چین تک پہنچتے تھے، جب بزنطینی اثرات رفتہ رفتہ پھیلتے چلے گئے اور وہ شام سے گزر کر فلسطین اور شمالی عرب تک پر حاوی ہوگئے اور بزنطینی سلطنت نے مصر اور اسکندریہ پر اپنا تسلط قائم کر لیا تو حبشہ یعنی ابی سینیا تک اس کے زیر اثر آ گیا، حبش نے جب یمن پر قبضہ کیا تو یہ اہم تجارتی شاہ راہ بھی اس کے قابو میں آگئی، کیوں کہ مصر اور حبش سے عربوں کے تجارتی تعلقات مستقل اور قدیم تھے۔

قبیلہ قضاعہ روم کے زیر اثر تھا، رسول اللہ ﷺ کے پردادا کے دادا قصی (۴۳۱-۴۷۳ء) جو اسی قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے اپنے اہل قبیلہ اور حلیفوں کی مدد سے مغربی عرب کے سب سے اہم مرکز اور تجارتی راہوں کے ایک بڑے جنکشن مکہ پر قبضہ کر لیا، اس وقت یہاں جنوبی عرب کے ایک قبیلے خزاعہ کا تسلط تھا، قصی نے مکہ میں ایک شہری ریاست قائم کی اور یہاں تمام ضروری محکموں کی بنیاد رکھی۔

عبد مناف بن قصی کے چار بیٹے مشہور ہیں، عبد شمس، ہاشم، نوفل اور المطلب، ان میں عبد شمس شاہ حبش نجاشی سے، ہاشم قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل کسرائے ایران سے اور المطلب یمن کے بادشاہ حمیری سے ملے اور ان ممالک کے ساتھ بلا خوف و خطر امن و حفاظت کے ساتھ آزاد تجارت کے معاہدے کیے اور جیسا کہ اوپر ذکر آیا اسی موقع پر قیصر روم نے بادشاہِ حبش نجاشی کے نام ایک سفارشی خط دیا جسے دیکھ کر نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے علاقہ میں تجارت کے لیے آمد و رفت کا عام پروانہ عطا کیا۔

یوں اہل مکہ والے ہر سال دو عظیم اسفار منظم کرتے جنہیں قرآن کریم نے ''رحلۃ الشتا'' اور ''رحلۃ الصیف'' کا نام دیا ہے، ایک سردیوں میں سفر یمن اور حبشہ کی طرف اور گرمیوں میں شام ومصر وغیرہ کی طرف۔(۲)

حبشہ عرب روابط کا آغاز نجران کے حوالے سے ہوا، نجران یمن میں ایک زرخیز علاقہ تھا جو آج کل سعودی عرب کا جنوبی صوبہ ہے، یہ علاقہ مسیحیت کے فروغ کا مرکز تھا، رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے تقریباً ایک صدی قبل کا ذکر ہے، یمن کے علاقہ نجران میں مسیحیت کے پیروکاروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا جس سے ملک کے یہودی بادشاہ ذونواس کو خطرہ محسوس ہوا، طبری کے مطابق بادشاہ ذونواس نے تمام عیسائیوں کو یہودی ہوجانے کا حکم دیا اور کہا کہ معافی صرف اسے ملے گی جو یہودی مذہب قبول کرے گا، جب اہل نجران نے مذہب تبدیل کرنے سے انکار کیا تو بادشاہ ایک بڑی فوج لے کر ان پر چڑھ دوڑا اور جس نے بھی مزاحمت کرنے کی کوشش کی اسے وہیں تہ تیغ کردیا گیا، علاوہ ازیں ہزاروں کو قیدی بنالیا گیا، اس کے بعد بڑی بڑی خندقیں کھودی گئیں اور ان میں آگ کے الاؤ دہکائے گئے، اس کے بعد آخری دفعہ انہیں موقع دیا گیا کہ اگر وہ یہودیت کے پیروکار بن جائیں تو ان کی جان بچ سکتی ہے ورنہ آگ کی بھٹیوں میں جھونک دیے جائیں (۳)، قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر انتہائی دردناک انداز میں کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ (۴)

مارے گئے گڑھے والے (اس گڑھے والے) جس میں خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن کی آگ تھی، جب کہ وہ اس گڑھے کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ وہ ایمان والوں کے ساتھ کررہے تھے اسے دیکھ رہے تھے اور ان اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے، جو زبردست اور اپنی ذات میں محمود ہے، جو

آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور وہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اس واقعہ کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

''خندق میں جلائے جانے والوں کی یاد میں نجران میں ایک گرجا تعمیر کیا گیا اور وہاں ان شہدا کا ایک قبرستان بھی تھا، ماضی قریب تک خندقوں کے مقام پر راکھ بڑی تعداد میں ملتی رہی جسے کسان کھاد کے طور پر زمینوں میں استعمال کرتے رہے، (روایات کے مطابق ان خندقوں میں بیس سے چالیس ہزار انسانوں کو زندہ جلایا گیا تھا اور اس مقصد کے لیے لاکھوں ٹن لکڑی بھی جلانا پڑی ہوگی) جب سعودی شاہ ابن سعود کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے راکھ کے استعمال کی ممانعت کردی کیوں کہ یہ اس دور کے سچے مسلمانوں کی ہڈیوں کی راکھ تھی''۔(۵)

کچھ نجرانی ان مظالم سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، مظلوم مسیحیوں کے ایک وفد نے رومی شہنشاہ کو اپنے اوپر ہونے والے مظالم سے آگاہ کیا اور اس یمنی بادشاہ کے خلاف مدد مانگی، بادشاہ نے جواب دیا کہ ''میرا ملک آپ کے ملک سے بہت دور ہے، میں یہ کرسکتا ہوں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھ دیتا ہوں جو آپ کا ہمسایہ بھی ہے اور آپ کا ہم مذہب بھی، وہ آپ کی مدد کرے گا''، پھر یہ مظلوم عیسائی خط لے کر نجاشی کے پاس چلے گئے، نجاشی نے ستر ہزار حبشیوں پر مشتمل ایک فوجی لشکر بھیجا۔(۶)

جنگ میں ذونواس کو شکست ہوئی، اس طرح یمن پر حبشہ کا قبضہ ہوگیا اور ابراہہ یمن کا گورنر بن گیا، خانہ کعبہ کی غیر معمولی عزت واحترام کا ماحول پاکر قریش کو ہمت ہوئی تو انہوں نے دو عظیم شاہراہیں بناڈالیں جس پر تجارتی قافلے جنوب میں یمن تک اور شمال میں شام تک جانے لگے اور یہ تین براعظموں کی تجارتی کڑیوں کو بھی ملاتے تھے، خانہ کعبہ کی عظمت واحترام کی وجہ سے اہل مکہ کو امن میسر تھا اور یوں وہ بلاخوف وخطر اپنی معاشی سرگرمیاں انجام دیتے تھے، جن کی وجہ سے وہ بے حد خوش حال ہوگئے، اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ   قریش کو الفت ہے جاڑے اور گرمی کے سفروں

وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۷)

ہے، لہذا ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔

عہد نبویؐ میں عرب وحبشہ تعلقات: عہد نبویؐ میں عرب حبشہ تعلقات کا یہ حال تھا کہ حبشہ عربوں کا دوسرا وطن معلوم ہوتا ہے، دونوں ملکوں کے درمیان آمد و رفت اتنی زیادہ اور اس کثرت سے رہتی تھی کہ جب جی چاہا حبشہ چلے گئے اور جب جی چاہا عرب چلے آئے۔

مکہ میں مسلمانوں کے لیے ظلم وستم ناقابل برداشت ہوگیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو سمندر پار حبشہ جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ رجب ۵ نبوی میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ روانہ ہوا اور جب الشعیبیۃ (جدہ) پہنچا تو وہاں دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار تھے، چنانچہ وہ ان پر سوار ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔(۸)

حبش ہجرت کر کے جانے والوں کو وہاں سے نکال دینے کے لیے قریش نے جو سفارت حبشہ بھیجی وہ ناکام واپس آئی مگر جلد ہی قریش کے مسلمان ہوجانے کی افواہ حبشہ پہنچی تو بعض مسلمان سمندر پار کر کے ملک واپس آگئے مگر پھر فوراً ہی اسی (۸۰) مسلمانوں کا قافلہ حبشہ روانہ ہوگیا۔

جب آپؐ نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو حبشہ سے بعض مسلمان بھی مدینہ واپس آگئے، ۶ھ میں آپؐ نے عمر بن ضمیریؓ کو نامۂ مبارک دے کر نجاشی کے پاس حبشہ بھیجا، اسی سال نجاشی نے ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد مرتب کر کے آپؐ کی خدمت میں روانہ کیا مگر جہاز بدقسمتی سے بیچ سمندر میں تباہ ہوگیا، ۷ھ میں حبشہ کے قریش مہاجرین مدینہ کے لیے روانہ ہوئے، ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بھی ان میں شامل تھیں، نجاشی نے ان لوگوں کو دو جہازوں پر سوار کر کے بھیجا، یہ جہاز مدینہ منورہ کی قریبی بندرگاہ جار میں آکر ٹھہرے، یہ مقام بحر احمر کے عرب ساحل پر ایلہ (عقبہ) سے دس میل پیچھے ہے اور یہاں سے مدینہ ایک دن ایک رات کی راہ پر ہے، یمن سے قبیلہ اشعر کے تقریباً باون یا ترپن نو مسلم عرب مدینہ کے ارادہ سے جہاز میں سوار ہوئے مگر ہوا کا رخ بدل گیا تو یہ لوگ بھی حبشہ پہنچ گئے تھے، وہاں انہوں نے مسلمان مہاجرین کو موجود پایا، جنہوں نے

ان کا خیر مقدم کیا، مہاجرین حبشہ ۷ھ میں مدینہ واپسی کے لیے جہاز میں روانہ ہوئے تو ان لوگوں کو بھی اپنے ہم راہ لے لیا، یہ لوگ اس وقت مدینہ پہنچے جب مسلمان خیبر فتح کر رہے تھے، چوں کہ یہ حضرات جہاز پر سوار ہو کر آئے تھے اس لیے ان کا نام اہل السفینہ پڑ گیا۔(۹)

حضرت ام حبیبہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح مبارک: سرزمین حبشہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ سردار مکہ ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ کا نکاح عرب حبشہ تعلقات میں ایک اہم کڑی ہے، یہ معزز خاتون اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ہم راہ وطن خیر باد کہہ کر سرزمین حبشہ ہجرت کر گئی تھیں مگر ان کا شوہر وہاں جا کر مرتد ہوگیا اور نصرانیت اختیار کرلی لیکن ام حبیبہؓ کا تعلق دین سے اس قدر مخلصانہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنے شوہر کے دباؤ اور لالچ کے باوجود دیار غیر میں دین و ایمان پر قائم رہیں، جس کے اعتراف میں آپؐ نے ان کو اپنی زوجیت میں لینے کا شرف بخشا، رسول اللہؐ نے نجاشی کو لکھا تھا کہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کی شادی ان کے ساتھ کردی جائے اور وہاں کے مسلمان مہاجروں کے ساتھ ان کو بھیجا جائے، آپ کا پیغام پاکر نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہ کے ذریعہ سے ام حبیبہؓ کو یہ پیغام پہنچایا، پیغام پاکر حضرت ام حبیبہؓ بہت خوش ہوئیں اور کہا کہ کسی کو وکیل مقرر کردیں، تو نجاشی نے حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کو ان کا وکیل مقرر کیا اور انہوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان کا نکاح کردیا، یہ شادی ۶ھ میں ہوئی، رسول اللہؐ کی طرف سے ولی بنے اور مبلغ چار سو دینار زر مہر خالد بن سعید کو ادا کیا، جسے انہوں نے ابرہ کے ذریعے سے ام حبیبہؓ کو پہنچادیے، جب ابرہ یہ رقم لائی تو ام حبیبہؓ نے اس میں سے پچاس مثقال ہدیہ کرتے ہوئے کہا کہ جب میرے پاس کچھ نہ تھا تب بھی میں تم کو اتنا سونا دینے والی تھی، اب اللہ عزوجل نے خود ہی رقم بھیج دی، ابرہ نے یہ تحفہ قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ بادشاہ نے مجھے منع کیا ہے کہ میں آپ سے کچھ لوں اور جو کچھ میں نے پہلے آپ سے لیا ہے وہ بھی واپس کرنے کو کہا ہے، چنانچہ اس نے زیور واپس کردیا اور کہا کہ میں تو شاہی کپڑوں کی ناظمہ ہوں، میں محمدؐ کی تصدیق کر کے ان پر ایمان لائی، میں آپ سے صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرا اسلام رسول اللہؐ تک پہنچادیں، ام حبیبہؓ نے اس کا وعدہ کرلیا، ابرہ نے کہا اس کے علاوہ بادشاہ نے اپنی تمام بیویوں سے کہا ہے کہ جس قدر عود و عنبر ان کے پاس موجود ہے آپ کو بھیج دیں۔(۱۰)

حضرت ام حبیبہؓ کی واپسی: حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ ہم دو کشتیوں میں سوار ہو کر حبشہ سے حجاز روانہ ہوئے، بادشاہ نے ملاحوں کو ہمارے ساتھ کر دیا تھا، ہم جار پہنچے اور وہاں سے خشکی کی سواریوں پر بیٹھ کر مدینہ پہنچے، رسول اللہؐ اس وقت خیبر میں تھے، اکثر صحابہ ان کے ساتھ تھے، میں مدینہ میں ٹھہر گئی، جب حضورؐ واپس آئے تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپؐ مجھ سے نجاشی کے حالات پوچھتے رہے، میں نے ابرہ کا سلام کہا، آپؐ نے اس کا جواب دیا۔(۱۱)

حضرت ام حبیبہؓ کا نام رملہ تھا، قبیلہ بنوامیہ سے تعلق رکھنے والے سردار ابوسفیانؓ کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہؓ کی بہن تھیں، وہ اولین مسلمانوں میں سے تھیں اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے قافلہ میں شامل تھیں، حبشہ پہنچنے پر ان کا شوہر عیسائیت کی طرف مائل ہو گیا اور ان کو بھی عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر وہ دین اسلام پر پوری ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ قائم ودائم رہیں، ان کا شوہر تو ڈوب کر ہلاک ہو گیا لیکن رسول اللہؐ نے ان کی دین میں استقامت اور ثابت قدمی پر اپنی زوجیت کا اعزاز بخشا، ان کی دینی حمیت کا ثبوت یہ ہے کہ جب اہل مکہ نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے بہت بڑی غلطی کی تو فوراً مدینہ پہنچے اور ابوسفیان چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ اپنے شوہر حضرت محمد مصطفیؐ سے بات کر کے اہل مکہ کے حق میں بہتر صورت نکالیں اور صلح حدیبیہ کی تجدید کرائیں مگر حضرت ام حبیبہؓ اسلام کو اپنے خاندانی تعلقات اور دنیا کے دیگر تعلقات پر مقدم رکھتی تھیں، جب ابوسفیان ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے تو انہوں نے اپنے والد کو اس چٹائی پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی جس پر سرور کونینؐ رونق افروز ہوا کرتے تھے۔

اپنے والد کی درخواست پر حضرت ام حبیبہؓ نے مشرکین مکہ کے لیے آپ سے بھی کچھ کہنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہؐ ہی اس کا فیصلہ کریں گے، اس طرح ابوسفیان دربار رسالت سے نامراد واپس چلے گئے۔

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنی زندگی انتہائی عبادت وریاضت میں گزاری، انہوں نے طویل عمر پائی اور رسول اللہؐ کی حیات مبارکہ کے بارے میں قابل قدر معلومات فراہم کی ہیں، آپ کے انتقال کے بارے میں مختلف روایات ہیں کہ ۴۲، ۴۴، ۵۰ یا ۵۹ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت جعفرؓ اور نجاشی کے بیٹوں میں رضاعت کا رشتہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سہیلی کے

حوالے سے ایک دل چسپ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

حبشہ میں مسلمانوں کی آمد کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفرؓ کی اہلیہ کو ایک بیٹا عطا فرمایا اور اسی روز نجاشی کے ہاں بھی ایک فرزند کی پیدائش ہوئی جس کو دودھ پلانے کا اعزاز حضرت جعفرؓ کی اہلیہ اسماؓ کو حاصل ہوا، اس طرح جعفرؓ کے فرزند اور نجاشی کے اس صاحب زادے میں دودھ شریک بھائی ہونے کے ناطے قریبی تعلقات قائم ہوئے۔(۱۲)

مسلمانوں کو ہجرت کے لیے تیار کرنا: مکہ مکرمہ میں رسول اللہؐ نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی مگر اکابر اہل مکہ نے اس پر کان نہ دھرا بلکہ رسول اللہؐ اور آپؐ کے اصحاب کے خلاف بے حد ظلم وتشدد پر اتر آئے، اس سلسلہ میں ابن اسحاق کا بیان بہت جامع ہے کہ "مشرکوں نے ان صحابیوں پر جنھوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہؐ کی پیروی کی۔ ظلم وستم ڈھائے اور ہر قبیلے نے اپنے قبیلے کے مسلمان ہونے والے افراد کو قید کیا، مارا پیٹا، بھوکا پیاسا رکھا، تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر تکلیفیں دیں، بعض لوگ تو ان شدید آفتوں اور مشقتوں کی تاب نہ لا سکے اور فتنے میں پڑ گئے لیکن بعض سختیاں برداشت کر لے گئے اور اللہ نے انہیں بچا لیا"۔(۱۳)

جب اس ظلم وتشدد کی انتہا ہو گئی تو مسلمانوں کو ہجرت کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا، اس سلسلے میں سورۃ العنکبوت کی آیات ۵۶ تا ۶۳ نہایت اہمیت رکھتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے دیار غیر میں امن وسلامتی اور رزق کی کشادگی کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا:

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ اَرْضِیْ
وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ کُلُّ نَفْسٍ
ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ
وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُبَوِّئَنَّھُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ غُرَفًا تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا
نِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْنَ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا
وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ وَکَاَیِّنْ

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، میری
زمین وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ،
ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب
ہماری طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے، جو لوگ
ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے
ہیں ان کو ہم جنت کی بلند وبالا عمارتوں میں
رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،
وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی عمدہ اجر ہے

مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ
يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ
فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اَللّٰهُ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ
يَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَ
مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ
الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ فَاِذَا رَكِبُوْا
فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا
نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ
يُشْرِكُوْنَ (۱۴)

عمل کرنے والے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں، کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رزق بھی وہی دے گا، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پس یہ کدھر سے دھوکا کھا رہے ہیں؟ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، کہو، الحمدللہ، مگر ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا، اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے، جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

ان آیات میں اس قادر مطلق کی طرف سے ہجرت کی طرف واضح اشارہ کے ساتھ ساتھ موثر اور دل نشین انداز میں دارالہجرت میں بھی رزق اور زندگی کی آسانی کی ضمانت دی گئی ہے، پہلی آیت میں واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر مکہ میں اللہ کی بندگی کرنا مشکل ہو رہا ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ، اللہ کی زمین تنگ نہیں، جہاں بھی اس کے بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔

دوسری آیت میں عقلی طور پر بتایا گیا ہے کہ اس راہ میں جان کی فکر غیر معقول ہے کیوں کہ یہ تو کبھی نہ کبھی جانی ہی ہے، ہمیشہ رہنے کے لیے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں آیا، چنانچہ دنیا میں جان بچانے کی فکر بے حقیقت ہے، اصل فکر تو یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کی بندگی کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں۔

تیسری اور چوتھی آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایمان اور نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے قوم و وطن تو کیا اگر دنیا کی ساری نعمتیں بھی چھن جائیں تو ان کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز ضائع نہیں ہوگا، وہ اس دنیا میں بھی ان کی دست گیری کرے گا اور آخرت میں بھی ان کے عمل کا بہترین اجر دے گا۔

آخر میں بتایا گیا ہے کہ ہجرت کرنے میں فکر جان کی طرح فکر روزگار سے بھی تمہیں پریشان نہ ہونا چاہیے، آخر بے شمار چرند، پرند اور تمام حیوانات جو ہوا پانی اور خشکی پر پھرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی تو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتا، وہ جہاں بھی جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہیں کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے، لہٰذا اہل ایمان کو یہ سوچ کر ہمت نہیں ہارنا چاہیے کہ اگر ایمان کی خاطر گھربار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دیتا ہے انہیں بھی دے گا کیوں کہ رزق کا اصل سرچشمہ تو اس کے ہاتھ میں ہے، آخری آیت میں کشتی کی سواری اور سمندری سفر سے بچ کر خشکی کا ذکر کر کے واضح طور پر سمندر پار کے کامیاب سفر کی طرف اشارہ دیا ہے، اس مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا
رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ

(اے نبی ﷺ) کہو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ہے ان

وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱۵)

کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے، صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

ان آیات کے بارے میں صاحب روح المعانی علامہ آلوسی لکھتے ہیں: نزلت فی جعفر بن ابی طالب واصحابه حین عزموا علی الهجرة الی ارض الحبش، اس آیت کا نزول حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا تھا جب کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا عزم کیا۔(۱۶)

کفار مکہ کے ہاتھوں ناقابل برداشت مظالم برداشت کرنے والوں کو ان ہی دنوں بہتر مستقبل کی ایک اور خوش خبری سنائی گئی، ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۱۷)

اور جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے، کاش یہ لوگ جان لیں، وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں۔

ہجرت حبشہ کا حکم نبوی: مکہ مکرمہ کی سرزمین جب مسلمانوں پر تنگ ہوگئی اور قریش مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

لوخرجتم الی ارض الحبشة فان ملکا لا یظلم عنده احد وهی ارض صدق حتی یجعل الله لکم فرجا مما انتم فیه (۱۸)

اگر تم لوگ سرزمین حبشہ کو چلے جاؤ تو بہتر ہو کہ وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سچائی والوں کی سرزمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان مصائب سے نکلنے کی جن میں تم مبتلا ہو، بہتر صورت پیدا کردے۔

ہجرت حبشہ اول: اس ارشاد کے مطابق رجب ۴۵ عام الفیل مطابق ۵ بعثت نبوی میں

اصحاب رسولؐ نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی جس میں گیارہ مرد اور چار خواتین شامل تھیں۔(۱۹)

زاد راہ ہجرت: اس موقع پر سورۂ مریم نازل ہوئی جو چلتے وقت زاد راہ کے طور پر ساتھ کی گئی، تاکہ عیسائیوں کے ملک میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بالکل صحیح تصویر پیش کی جاسکے، دوسری چیز اہل کتاب کے درمیان تبلیغ کرنے کی حکمت کے طور پر سورۃ العنکبوت کی ۴۶ ویں آیت ہے، جس میں ارشاد ہوا کہ:

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲۰)

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے ...... سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہوں ...... اور ان سے کہو کہ "ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا پروردگار اور تمہارا پروردگار ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مسلم (فرماں بردار) ہیں"۔

اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اہل کتاب کے ظالم لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں البتہ جو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے تیار ہوں ان سے نہایت معقول دلائل سے مہذب اور شائستہ زبان میں افہام وتفہیم کے انداز میں بحث کی جاسکتی ہے، ان کو بتاؤ کہ ہم کوئی متعصب گروہ نہیں ہیں، ہم تو حق کے پرستار ہیں، اللہ کی طرف سے جو کچھ ہمارے پاس آیا ہے اسے بھی برحق مانتے ہیں اور جو تمہارے پاس آیا تھا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، ہمارا تمہارا ایک ہی پروردگار ہے جس کے ہم ماننے والے ہیں اور تم بھی، ہم نے اسی ایک پروردگار کی اطاعت اور بندگی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

یہ وہ زاد راہ تھا جس کو لے کر مہاجرین حبشہ روانہ ہوئے، جب یہ لوگ شعیبہ (جدہ) کی بندرگاہ پر پہنچے تو حبشہ جانے کے لیے دو تجارتی جہاز تیار تھے، جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھالیا اور ہر فرد سے صرف نصف دینار لیے (۲۱)، قریش کو جب یہ خبر ہوئی تو بندرگاہ تک ان کا تعاقب کیا مگر موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

پرانا تجارتی مرکز ہونے کے باعث اہل مکہ حبشہ کے حالات سے باخبر تھے، انہوں نے یہاں سے رزق کمایا تھا اور تجارت میں بڑے فائدے اٹھائے تھے، اس لیے مہاجرین کو وہاں کوئی دقت پیش نہیں آئی، وہ وہاں بہت اچھی طرح رہے اور اپنے دین کے معاملے میں بھی ان پر کسی قسم کی روک ٹوک نہیں تھی، وہ آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور کوئی مشکل انہیں نہیں اٹھانی پڑتی تھی اور نہ کسی ناگوار بات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس سے اللہ تعالیٰ کی تسلی اور ضمانت عملی صورت میں نمایاں ہوکر سامنے آئی۔

حبشہ میں اپنے مشاہدات کے سلسلے میں ایک صاحب بصیرت مہاجرہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

> "جب ہم سرزمین حبشہ میں اترے تو وہاں ہمیں نجاشی کا بہترین پڑوس مل گیا، دین میں امن نصیب ہوا اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگئے، نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچاتا تھا اور نہ ہم کوئی بری بات سنتے تھے"۔ (۲۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دی ہوئی ضمانت حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی، وہاں مہاجرین مطمئن و بے خوف ہوگئے، وہاں گھر بھی مل گیا اور چین بھی، معاش بھی اور سکون بھی۔

مہاجرین کی واپسی: اس سال رمضان میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی خبر حبشہ میں مقیم مسلمانوں تک اس طرح پہنچی کہ وہ سمجھے کہ کفار مکہ مسلمان ہوگئے ہیں، واقعہ یہ تھا کہ ایک روز رسول اللہؐ حرم پاک میں جہاں قریش کے لوگوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یکایک تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی زبان مبارک پر سورۂ نجم جاری فرمادی، کلام کی تاثیر کا حال یہ تھا کہ جب آپؐ نے سنانا شروع کیا تو مخالفین کو اس پر شور مچانے کا ہوش تک نہ رہا اور خاتمہ پر جب آپؐ نے سجدہ فرمایا تو سب حاضرین بھی سجدے میں گر گئے، مجمع میں کافر و مومن سب ہی لوگ موجود تھے، حتی کہ مشرکین کے وہ بڑے بڑے سردار تک جو مخالفت میں پیش پیش تھے، سجدہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اس سے یہ خبر مشہور ہوکر حبشہ تک اس شکل میں پہنچی کہ مشرکین قریش مسلمان ہوگئے ہیں مگر اصل صورت حال یہ تھی کہ قرآن کی شدت تاثیر سے متاثر ہوکر سجدہ کرنے والے اس وقت تو سجدہ

کر بیٹھے مگر بعد میں انہیں سخت پریشانی اور ندامت ہوئی کہ ہم سے یہ کیا کمزوری سرزد ہوگئی۔ (۲۳)

اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر شوال ۵ ربعثت نبوی میں مہاجرین حبشہ سے مکہ واپس آگئے اور یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حالات جوں کے توں ہیں، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ (۲۴)

دوسری ہجرت حبشہ: مہاجرین حبشہ کو مکہ آکر جب معلوم ہوا کہ ظلم کی چکی پہلے کی طرح چل رہی ہے اور رسول اللہؐ نے بھی دیکھا کہ حبشہ مسلمانوں کے لیے امن کی جگہ ثابت ہوا ہے تو آپؐ نے پھر ہدایت کی کہ مظلوم لوگ دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرجائیں، چنانچہ ۶ ربعثت نبوی کے آغاز یعنی ۶۱۵ء میں دوسری ہجرت واقع ہوئی۔

قریش نے اس ہجرت کو بھی روکنے کی پوری کوشش کی اور نکلنے والوں کو بہت تنگ کیا اور ان کے راستے میں سخت مشکلات پیدا کیں لیکن اس کے باوجود اس موقع پر ۸۳ مردوں اور ۱۸ یا ۱۹ عورتوں نے حبشہ کی راہ لی اور خیریت سے وہاں پہنچ گئے۔ (۲۵)

ابن سعد کے مطابق ان میں گیارہ قریش اور ۷ غیر قریش کی عورتیں تھیں اور مکہ میں رسول خداؐ کے ساتھی صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔

شاہ حبشہ کے نام رسول اللہ ﷺ کا تعارفی خط: اس موقع پر شاہ حبشہ کے نام حضورؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے لیے ایک تعارفی خط بھی روانہ فرمایا، طبری اور ابن قیم کے مطابق وہ خط یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى النجاشى الاصحم ملك الحبشة سلم انت فانى احمد اليك الله الملك القدوس السلام المومن المهيمن واشهد ان عيسى ابن مريم روح الله وكلمته القاها الى مريم البتول الطيبة

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط محمد رسول اللہؐ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبشہ کے نام۔ تم محفوظ ہو، میں اس اللہ کی تعریف تمہیں لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ مقدس، سلامتی والا، احسان دہندہ اور سلامت رکھنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو پاک اور

الحصینة فحملت بعیسی فخلقه
الله من روحه ونفخه کما خلق آدم
بیده و نفخه وانی ادعوک الی
الله وحده لا شریک له و الموالاة
علی طاعته وان تتبعنی وتومن
بالذی جائنی فانی رسول الله
وقد بعثت الیک ابن عمی
جعفرا ونفرن معه المسلمین فاذا
جاؤک فاقرهم ودع التجبر فانی
ادعوک وجنودک الی الله فقد
بلغت ونصحت فاقبلوا نصحی
والسلام علی من اتبع
الهدی۔ (۲۶)

برائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا گیا تو وہ
خدا کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں جیسا کہ
اللہ نے حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا،
پھر اس میں جان پھونکی، میں تمہیں اس اللہ وحدہ
لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ تم میری
اتباع کرو اور مجھ پر نازل شدہ چیز پر ایمان لاؤ
کیوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں
اور تمہارے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا
ہوں، میں نے پیام پہنچا دیا اور بہی خواہی کی ہے
اب تم سب میری بہی خواہانہ نصیحت کو قبول کرو،
میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو
بھیجا ہے، جن کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں جب
وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کی مہمان داری کرو
اور تکبر چھوڑ دو، سلام اس پر جو ہدایت پر چلے۔

نجاشی کا جواب: اس خط کے جواب میں نجاشی نے رسول اللہؐ کو جو جوابی خط لکھا اور جس میں اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا، طبری کے مطابق یوں ہے:

بسم الله الرحمن الرحیم الی محمد
رسول الله من النجاشی الاصحم
ابن ابحر سلام علیک یا نبی الله
ورحمة الله و برکاته من الله الذی
لا اله الا هو الذی هدانی الی
الاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابک
یا رسول الله فیما ذکرت من امر

بسم اللہ الرحمان الرحیم، محمد رسول اللہؐ کے نام
نجاشی بن ابجر کی طرف سے ارسال ہے، اے
اللہ کے نبی آپ پر سلامتی ہو اللہ کی جو بلاشرکت
ایک ہے، جس نے مجھے اسلام کی ہدایت کی ہے
رحمت اور برکات آپؐ پر نازل ہوں، اے اللہ
کے رسولؐ مجھے جناب کا خط موصول ہوا جس
میں آپ نے عیسیٰؑ کا ذکر کیا ہے، آسمان وزمین

عیسیٰ فورب السماء والارض ان
عیسی ما نزید علی ما ذکرت
تفروقا انه کما قلت وقد عرفنا ما
بعثت به الینا وقد قرینا ابن عمک
واصحابه فاشهد انک رسول الله
صادقا مصدقا وقد بایعتک
وبایعت ابن عمک واسلمت علی
یده الله رب العالمین وقد بعثت
الیک بابنی ارحا بن الاصحم بن
ابحر فانی لا املک الا نفسی وان
شئت ان آتیک فعلت یا رسول
الله فانی اشهد ان ما تقول حق
والسلام علیک یا رسول الله۔ (۲۷)

کے پروردگار کی قسم آپؐ نے عیسیٰؑ کے متعلق جو
کچھ لکھا ہے، ہم نے اس پر ایک زادراہ بھی زائد
نہیں کیا اور نہ کہا، میں آپؐ کی رسالت کا معترف
ہوں، میں نے آپؐ کے چچازاد بھائی اور اس
کے ہمرائیوں کو اپنا مہمان بنایا ہے اور میں
شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول
اور دوسرے انبیا کے مصدق ہیں، میں نے آپؐ
کے لیے آپؐ کے چچازاد بھائی کی بیعت کرلی
ہے اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے
لیے اسلام لے آیا ہوں، میں اپنے بیٹے ارحا
ابن الاصحم بن ابجر کو آپؐ کی خدمت میں بھیجتا
ہوں کیوں کہ میں صرف اپنی جان کا مالک ہوں
اور آپؐ کی یہی خوشی ہو کہ میں خود حاضر ہوں تو
میں اس کے لیے بھی تیار ہوں کیوں کہ میں
جانتا ہوں کہ آپؐ کا ارشاد برحق ہے، والسلام
علیک یا رسول اللہ۔

طبری کے مطابق نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ افراد کے ہم راہ ایک کشتی میں حجاز روانہ کیا تھا مگر وسط سمندر میں وہ کشتی تمام مسافروں کے ساتھ غرق ہوگئی۔ (۲۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور اہل یمن کی حبشہ آمد: حضرت ابوموسیٰ اشعری مکہ آکر مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے واپس یمن جاکر اسلام کی اشاعت وتبلیغ کی جس کے نتیجے میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی، چنانچہ اپنی قوم کے ۵۲ یا ۵۳ لوگوں کو ساتھ کر اپنے دو چھوٹے بھائیوں ابوبردہ اور ابورہم کو ایک کشتی میں یمن سے مکہ کی طرف روانہ کیا مگر ناموافق ہواؤں نے ان کی کشتی کو حبشہ کے ساحل پر نجاشی کے علاقے میں لا ڈالا، اس طرح وہ مہاجرین حبشہ سے جن میں

جعفر بن ابی طالبؓ شامل ہیں، جاملے۔(۲۹)

یوں دعوت اسلامی نے عرب کی حدود پار کر کے سمندر پار افریقہ تک رسائی حاصل کر لی اور داعیان اسلام بین الاقوامی افق پر نمودار ہوئے۔

ہجرت کا ردعمل: ہجرت حبشہ سے مکہ کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا کیوں کہ مکہ میں اس ہجرت قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی چشم و چراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہو، کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن، مثلاً ابوجہل کے بھائی سلمہ بن ہشامؓ، اس کے چچازاد بھائی ہشام بن ابی حذیفہؓ اور عیاش بن ابی ربیعہؓ اور اس کی چچازاد بہن حضرت ام سلمہؓ، ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ، عتبہ بن ربیعہؓ کے بیٹے اور ہندؓ کے سگے بھائی ابوحذیفہؓ، سہیل بن عمروؓ کے بھائی، بیٹے، بیٹیاں اور داماد، اسی طرح دوسرے سرداران قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے، اس لیے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو، بعض لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے اور بعض کے دلوں پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے(۳۰)، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس ہجرت نے مکہ کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔

مہاجرین کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت یاسرؓ وغیرہ، ان لوگوں کے نام مہاجرین حبشہ کی فہرست میں نظر نہیں آتے، ذیل میں ہم ابن ہشام کے حوالے سے مہاجرین کی فہرست دے رہے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے۔

کبار مہاجرین حبشہ: ابن اسحاق کے مطابق جب اکابر مکہ ہجرت کے لیے نکلے تو ان میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور ان کی شریک حیات حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کا نام سرفہرست ہے، اس کے علاوہ ابوحذیفہ بن عتبہؓ کا نام ہے، ان کے ساتھ بھی ان کی شریک حیات سہلہ بنت سہیل بن عمروؓ تھیں، سرزمین حبشہ میں سہلہ سے ان کے ایک بیٹے محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ دونوں اکابر صحابہ مشہور قبیلہ بنی عبدشمس سے تھے، بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی میں سے حضرت زبیر بن العوام تھے، بنی عبدالدار بن قصی میں

حضرت مصعب بن عمیرؓ، بنی زہرہ بن کلاب میں سے حضرت عبدالرحمان بن عوف، بنی مخزوم ابن یقظہ میں سے ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کے ساتھ ان کی شریک حیات حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ، بنی جمع بن عمر میں سے حضرت عثمان بن مظعون، بنی عدی بن کعب میں سے حضرت عامر بن ربیعہ، ابوان کی شریک حیات لیلیٰ بنت ابی حثمہ، بنی عامر بن لوئی میں سے ابوسبرہ بن ابی رہم، بعض کے نزدیک ابوسبرہ کی بجائے ابوحاطب بن عمرو بن عبدشمس بن عدود ابن نصر بن مالک ابن حسل بن عامر۔

اس طرح حضرت جعفر بن ابی طالب اور دیگر اصحاب رسول ﷺ کے بعد دیگر حبشہ کی سرزمین میں پہنچے، ان میں سے بعض اپنی شریک حیات کے ساتھ پہنچے اور بعض اکیلے پہنچے اور کچھ لوگوں کے وہاں اولاد بھی پیدا ہوئی، اس سرزمین میں حضرت جعفر بن عبدالمطلب بن ہاشم اور ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے ہاں ایک فرزند عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے۔ (باقی)

حوالے

(۱) محمد حمید اللہ ڈاکٹر، پیغمبر اسلام (Le Prophete d i' Islam) اردو ترجمہ پروفیسر خالد پرویز، ملتان، بیکن بکس، اشاعت ۲۰۰۵ء، ص ۱۳-۳۱۳۔ (۲) محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، جز الاول، بیروت، دار الفکر، طبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷-۲۸۔ (۳) طبری، ایضاً ص ۷۱۸-۷۲۱۔ (۴) القرآن الکریم، سورۃ البروج، آیت ۴-۸۔ (۵) محمد حمید اللہ ڈاکٹر، ایضاً ص ۲۹۳-۲۹۴۔ (۶) ابن ہشام، سیرت النبی کامل، ج ۱، باب ۹۔ (۷) قرآن حکیم، سورۂ قریش، آیت ۲-۱۔ (۸) ابن کثیر، الحافظ ابوالفدا، البدایۃ والنہایۃ، الجزء الثالث، بیروت، مکتبۃ المعارف، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۷۸ء، ص ۲۲۔ (۹) مسلم، صحیح مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب من فضائل جعفر ابن ابی طالب و اسماء بنت عمیس و اہل سفینتھم، حدیث نمبر ۶۴۱۰-۶۴۱۱۔ (۱۰) طبری، ایضاً ص ۴۹۴۔ (۱۱) ایضاً۔ (۱۲) محمد حمید اللہ، ایضاً ص ۳۰۶-۳۰۷۔ (۱۳) ابن ہشام، سیرت النبی کامل، باب ۵۰۔ (۱۴) ایضاً، سورۃ العنکبوت، آیت ۵۶-۶۳۔ (۱۵) القرآن، سورۃ الزمر، آیت ۱۰۔ (۱۶) الآلوسی، شہاب الدین سید محمود، روح المعانی، ج ۸، بیروت، دار الفکر، ص ۲۴۹۔ (۱۷) القرآن الکریم، سورۃ النحل، آیت ۴۰-۴۲۔ (۱۸) ابن ہشام،

سیرت النبی کامل، ج ا، باب ۵۱۔ (۱۹) طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، الجزء الثانی، بیروت، موسسۃ العلمی للطباعت، ۱۸۷۹ء، ص ۶۹۔ (۲۰) القرآن، سورۃ العنکبوت، آیت ۴۶۔ (۲۱) علامہ ابن کثیر، ابوالفدا عماد الدین، البدایہ والنہایہ، الجزء الثالث، بیروت المکتبۃ المعارف، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۷۸ء، ص ۶۶۔ (۲۲) ابن ہشام، ایضاً، باب ۵۲، ابن سعد، الطبقات الکبری، الجز الاول، بیروت، دار الفکر، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۴ء ص ۱۴۰۔ (۲۳) طبری، ایضاً، ص ۷۵-۷۶۔ (۲۴) ابن ہشام، ایضاً، باب ۵۶۔ (۲۵) ابن سعد، ایضاً، ص ۱۴۱۔ (۲۶) الطبری، ایضاً، ص ۲۹۴۔ (۲۷) ایضاً۔ (۲۸) ایضاً۔ (۲۹) مسلم، صحیح مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب من فضائل جعفر و اسماء بنت عمیس و اهل سفینۃ، حدیث نمبر ۶۴۱۰، ابن کثیر، ایضاً، ص ۷۱۔ (۳۰) ابن ہشام، ایضاً، باب ۵۱۔

oooooooooooooooooooooooooooooooo

اردو بک ریویو
Website:urdubookreview.com
اردو دنیا کا ایک منفرد رسالہ
Estd. November 1995
اہم مشمولات
○ اردو دنیا میں شائع ہونے والے متنوع موضوعات کی کتابوں پر تبصرے اور تجزیے ○ اردو کے علاوہ انگریزی اور ہندی کتابوں کا تعارف وتجزیہ ○ ہر شمارے میں شائع ہونے والی تازہ کتابوں (New Arrivals) کی مکمل فہرست
○ یونیورسٹی سطح کے تحقیقی مقالوں کی فہرست اور تازہ معلومات
○ اہم تازہ رسائل وجرائد کا اشاریہ (Index)
○ وفیات (Obituaries) کا جامع کالم ○ شخصیات: یادرفتگاں
فکر انگیز مضامین ——— اور بہت کچھ
صفحات: 96 فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ قیمت 100 روپے (عام) طلبا: 80 روپے
کتب خانے وادارے: 120 روپے تاحیات: 5000 روپے (بھارت)
پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال: 300 روپے، دیگر ممالک: 20 یو ایس ڈالر
رابطہ
URDU BOOK REVIEW Monthly
1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel,
Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002
Ph: (O) 23266347 (R) 22449208
Email:arifiqbalubr@yahoo.co.in

عبدالملک بن مروان کی مدبرانہ قیادت

از:- بسام عسلی

ترجمہ:- ڈاکٹر محمد انظر ندوی ☆

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبدالملک کے ذکر سے پہلے ان کے والد مروان بن حکم کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے، وہ ۲ھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد حکم بن ابی عاص بن امیہ روسائے قریش کی طرح حضورؐ کے سخت مخالف اور دشمن تھے مگر مروان اپنی کم سنی کے باوجود اپنی عقل وذہانت کی وجہ سے اپنے والد کے برعکس کئی سال پہلے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔

مروان بن حکم اپنی روشن فکری اور کشادہ خیالی کے لیے مشہور تھے، اسی لیے مدینہ کے چار اہم اور بڑے فقہا میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کا وہ تاریخی فتوی قابل ذکر ہے جو ایک خاتون کے نذر ماننے کے مسئلے پر تھا، اس خاتون نے نذر مانی تھی کہ اگر اس کا کام ہو گیا تو وہ اپنے بیٹے کی قربانی دے گی، اللہ کی مرضی سے اس خاتون کا مقصد پورا ہو گیا، اب اسے اس بات کی پریشانی لاحق ہوئی کہ وہ بیٹے کی قربانی کیسے دے گی؟ اس نے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فتوی پوچھا، حضرت ابن عمرؓ نے کوئی دوٹوک بات نہ کہی، حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عبدالمطلب کے اسوہ کے مطابق سو اونٹ ذبح کرنے کا حکم فرمایا لیکن مدینہ کے گورنر حضرت مروان نے فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا کہ ابن عمر اور ابن عباس کے فتاوی درست ہیں، اس لیے کہ اللہ کی معصیت میں مانی گئی نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تم اللہ سے استغفار کرو، اسی کے حضور توبہ کرو، صدقہ دو اور حتی المقدور خیر کے کام کرو، اللہ نے تمہیں اپنے فرزند کی بھینٹ چڑھانے سے منع کیا ہے'' لوگوں کو اس فتوی سے اطمینان ہوا اور پھر فقہا اور مفتیان کرام اسی اصول یعنی

☆ گیسٹ لکچرر، مرکز ادبیات عربی، انگلش اینڈ فارن لنگویجس یونی ورسٹی، حیدر آباد-۷۔

لا نذر فی معصیة اللہ پر فتویٰ دینے لگے۔

پیغمبر اسلامؐ کے انتقال کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں مروان بن حکم کا کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں رہا، البتہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں دونوں میں بڑی یگانگت اور ہم خیالی رہی، حضرت عثمانؓ نے مروان کو کسی قرابت و اقربا پروری کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی خداداد فراست اور حد درجہ اخلاص کی بنیاد پر انہیں اپنا مقرب بنایا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں فتنہ پھوٹ پڑا، بلوائیوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی، اس موقعہ پر حضرت مروان نے بلوائیوں سے کھلے الفاظ میں کہا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو ''شمشیر کی طاقت کا تجربہ کر لیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری وجہ سے تمہیں عزت ملی ہے، مگر تم نے اپنے لیے ذلت کے مقامات پسند کر لیے ہیں'' حضرت عثمان کشت و خون نہیں چاہتے تھے، وہ مسجد تشریف لائے، ایک خطبہ دیا اور اپنی توبہ کا اعلان کیا اور اپنے گھر واپس تشریف لے گئے، حضرت مروان نے حضرت عثمان کی اجازت سے ان بلوائیوں سے کہا کہ تم اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ، اگر تم نے نیزہ بازی کی تو کایا پلٹ جائے گی اور پھر تم کو خوشی نہ ہوگی، ہمارے قبضہ میں جو بھی وسائل ہیں، اس سے ہم اپنا دفاع کریں گے اور تم قطعاً غلبہ حاصل نہیں کر سکو گے۔

فتنہ پردازوں نے بھانپ لیا کہ مروان ان کا سب سے زیادہ طاقت ور حریف ہے پھر انہوں نے حضرت مروان پر ذاتی حملے شروع کر دیے، چنانچہ انہوں نے الزام عائد کیا کہ مروان نے ہی انہیں حضرت عثمان کے قتل پر ابھارا تھا اور امیر المومنین کی اطلاع کے بغیر حاکم مصر کے پاس انہوں نے ہی اونٹ بھیجا تھا، حالاں کہ اس بہتان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ ایک سراسر من گھڑت بات تھی۔

امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو گھیرے میں لے لیا گیا، مروان امیر المومنین کے ساتھ آپ کے گھر میں داخل ہوئے، امیر المومنین نے باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ممانعت کر دی تھی، مروان نے حکم عدولی کی اور تلوار لے کر باہر نکلے اور ایک شعر پڑھا، اتنے میں ابن نباع نے ان کی گردن پر پیچھے سے وار کیا، وہ نیچے گر پڑے، تلوار کی ضرب اس قدر سخت تھی کہ عبید بن رفاعہ

نے تجہیز کی تیاری شروع کر دی، مگر مروان کی رضاعی ماں اور ابراہیم بن عدی کی دادی فاطمہ بنت اوس انہیں اپنے گھر لے گئیں اور ان کی مرہم پٹی کی جس سے ان کی جان بچ گئی، تاہم زخم مندمل ہونے کے بعد بھی وہ تمام عمر کوتاہ گردن رہے۔

سازش رچنے والوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ غداری کی اور آپ کو شہید کر دیا، تین دن آپ کی نعش پڑی رہی، کسی نے تجہیز و تکفین کی جرأت نہیں کی، حضرت مروان کو جب اس کی اطلاع ملی تو اپنے ضعف و نقاہت اور زخموں کی تکلیف کے باوجود حضرت عثمان کے گھر حاضر ہوئے اور حضرت عثمان کی نماز جنازہ پڑھی اور ''حش کوکب'' میں انہیں سپرد خاک کیا۔

مروان اور دیگر افراد بنوامیہ خوف زدہ ہو کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے، جب ام المومنین حضرت عائشہ نے بھی حضرت عثمان کے قاتلین کا بدلہ لینے کا مطالبہ کیا تو مروان اور بنوامیہ حضرت عائشہ کے ساتھ ہو گئے، وہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر پہلے بصرہ جا پہنچے پھر جب جنگ جمل کے بعد امیر المومنین حضرت علیؓ نے عام معافی کا اعلان فرمایا تو مروان اور بنوامیہ حضرت عائشہ کے قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

مروان مدینہ منورہ ہی میں اقامت گزیں رہے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا، حضرت معاویہ نے ۴۰ھ میں حکومت کی تنظیم جدید کی اور مدینہ منورہ میں مروان بن حکم اور سعید بن عاص کو باری باری والی مقرر کیا، مروان کا معمول تھا کہ وہ اپنے دور اقتدار میں ہر سال حج کیا کرتے تھے۔

بعد ازاں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والی مقرر ہوئے، ان کے اور مروان بن حکم کے درمیان تعلقات بہت گہرے نہ تھے، پھر بھی وہ حضرت مروان کی دانائی و دور اندیشی سے مکمل استفادہ کرتے رہے اور ان سے مختلف امور میں مشورہ بھی لیتے رہے۔

حضرت امیر معاویہ نے اپنی وفات سے قبل والی مدینہ ولید کو اپنے فرزند یزید کے توسط سے ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بیعت کرنے پر باصرار آمادہ کرو، والی مدینہ نے حضرت مروان سے مشورہ کیا، انہوں نے ولید کو مشورہ دیا کہ تینوں کو اپنے پاس بلائیے اور انہیں سمع و طاعت کی دعوت دیجیے، اگر وہ تینوں

آپ کی بات مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت معاویہ کی وفات سے قبل ان تینوں کا کام تمام کیجیے، یہ اس لیے کہ حضرت معاویہ کے وصال کے بعد سوائے ابن عمر کے سبھی سر اٹھانے لگیں گے، ولید نے مروان کی تجویز نہیں مانی جس کا نتیجہ وہی ہوا جیسا کہ مروان نے اندیشہ ظاہر کیا تھا، چنانچہ حضرت حسینؓ کو حفاظت دین کی خاطر مدینہ منورہ سے نکلنا پڑا، اس کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ سب پر واضح ہے۔

علاوہ ازیں جب مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر تیار ہوگیا تو اس کی اطلاع پاکر مروان نے نئے والی مدینہ اور سپہ سالار عمرو بن سعید کو مشورہ دیا کہ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرکے اس کے تقدس کو پامال مت کرو، عبداللہ بن زبیر کو چھوڑ دو، وہ ضعیف ہوگئے ہیں، حالاں کہ وہ بہت جھگڑالو ہیں مگر چوں کہ ان کی عمر ساٹھ سے تجاوز کرچکی ہے، لہٰذا انہیں قتل مت کرو، وہ بہت دنوں تک زندہ نہیں رہیں گے لیکن عمرو بن سعید نے کہا کہ میں ان سے جنگ لڑکر رہوں گا۔

ادھر یزید بن معاویہ کی وفات ہوگئی اور یزید کے فرزند معاویہ بن یزید بن معاویہ نے منصب خلافت پر متمکن ہونے سے انکار کردیا، پھر تو بنوامیہ کے لیے دنیا تنگ ہوتی گئی، حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیر نے مدینہ کے عامل کو لکھا کہ مدینہ سے بنی امیہ کا تخلیہ کردیں، مصر میں عبدالرحمان بن جحدم فہری نے علم بغاوت بلند کیا، قنسرین، حمص، فلسطین اور دمشق میں لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی پیش کش کردی، الغرض وہ ایسا دن تھا کہ خود مروان بن حکم نے بھی ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی بات سوچی تھی۔

اتنے میں اردن کے حسان بن مالک بن بجدل نے اردن ہی میں عبداللہ بن زبیر کی مخالفت میں رائے عامہ ہموار کی، حصین بن نمیر اور اس کی قوم، عراق سے عبیداللہ بن زیاد اور اس کی قوم نے مروان اور بنوامیہ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

بنوامیہ ایک رائے پر متفق ہوگئے، ان لوگوں نے حسان بن مالک بن بجدل کلبی کو اردن سے جابیہ میں جمع ہونے کے لیے کہا تھا، بہ اتفاق آرا سبھوں نے بشمول اہل اردن، اہل سکاسک، اہل سکون اور اہل غسان نے مروان بن امیہ کے نام کو قطعیت دے دی۔

ضحاک بن قیس نے حمص، قنسرین اور فلسطین سے اپنے حامیوں کو بلاکر ''مرج راہط'' میں مروان کے خلاف خروج کیا، مروان نے اپنی فوج کے ساتھ ضحاک کا مقابلہ کیا اور اس کو شکست فاش دے دی، اس طرح شام کا پورا علاقہ مروان کے زیر نگیں آگیا، ادھر مصر میں ان کے خلاف بغاوت شروع ہوئی، اس بغاوت کو بھی مروان نے کچل دیا اور وہاں اپنے بیٹے عبدالعزیز کو گورنر مقرر کردیا، اس طرح مروان بن حکم مصر اور شام کے تمام علاقوں کے بلا شرکت غیرے حاکم بن گئے۔

حجاز میں عبداللہ بن زبیر کی پکڑ عوام پر مضبوط تھی اور بیعت کا مسئلہ کوفہ، بصرہ اور مشرقی ممالک تک پہنچ چکا تھا، ادھر مروان کی عمر ڈھلتی جارہی تھی، بدن میں پہلی جیسی طاقت نہ تھی، اس لیے انہوں نے بلاتاخیر اپنے بیٹے عبدالملک کو جانشین بنانے کے لیے لوگوں سے بیعت لی، پھر چند ہی دنوں بعد ماہ رمضان ۶۵ھ میں اُن کا انتقال ہوا، مروان بن حکم نے صرف نو مہینے حکومت کی۔

مروان بن حکم اور ان کے صاحب زادے عبدالملک کے تعلقات: مروان بن حکم اور عبد الملک بن مروان کے درمیان باپ اور بیٹے کا رشتہ ہی نہ تھا بلکہ عبدالملک کا تعلق اپنے والد محترم کے ساتھ ایک مخلص دوست، اچھے مشیر اور بھائی کا سا تھا، فکر و نظر کی اس قربت نے دونوں کے تعلقات میں استحکام پیدا کیا، یہ سچ ہے کہ اعتماد باہم اور آپسی تال میل، قوی اور مضبوط قرابت کی علامت ہے، عبدالملک اپنے والد بزرگوار کے شاگرد رشید تھے اور وہ ان سے سیاسی تجربات حاصل کرتے رہتے تھے اسی وجہ سے مروان کو اپنے بیٹے عبدالملک سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہوگئی تھیں، یہ سمجھتے تھے کہ عبدالملک کا مستقبل روشن ہوگا اور وہ ایک عظیم الشان قائد ثابت ہوں گے، ان کو اپنے لڑکے کی غیر معمولی ذکاوت و فراست، معاملہ فہمی، حسن تدبیر اور حسن تنظیم کی وجہ سے بے پناہ محبت تھی، یہ حسن اتفاق ہے کہ بنوامیہ کے ان دو فرزندوں (مروان، عبدالملک) کی خوابیدہ صلاحیتیں وقت و حالت کی منتظر رہیں، جب حالات نے نیا موڑ لیا تو ان کی اہمیت و افادیت کھل کر سامنے آئی اور تاریخ کا روشن حصہ بن گئی۔

کوفہ اور بصرہ میں عبدالملک کی حکمت عملی: مروان بن حکم کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے عبدالملک نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی تھی لیکن ان کی حکومت نے ابھی

استحکام حاصل نہیں کیا تھا کہ عراق میں اہل تشیع نے حضرت امام حسین بن علیؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کی زبردست مہم چھیڑ دی، انہیں اس بات پر بے حد ندامت تھی کہ ان لوگوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دے کر اور ان کا تعاون نہ کر کے بڑی غلطی کی ہے، اس لیے ان کے لیے اب ضروری ہے کہ وہ حضرت حسین کے قاتلین کا بدلہ لیں، اس کی خاطر انہوں نے کوفہ کے پانچ سربرآوردہ شیعی قائدین سلیمان بن صرد خزاعی جنہیں نبی کی صحبت کا شرف حاصل تھا، مسیّب بن نجبہ فزاری جو حضرت علیؓ کے مصاحبین میں سے تھے، عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی، عبداللہ بن وائل تیمی، رفاعہ بن شداد بجلی، کا مشاورتی اجلاس منعقد کیا۔

اس پانچ نفری اجلاس میں سلیمان بن صرد کو قائد بنا کر معاملہ ان کے سپرد کر دیا گیا، انہوں نے خفیہ طور پر حضرت حسینؓ کے مطالبۂ خوں بہا کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے اور جنگی تیاریوں کو فروغ دینے کا کام شروع کر دیا، یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اہل تشیع کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ ہوگئی، "رقہ" سے قریب "عین وردہ" کے مقام پر سلیمان بن صرد کی شدید جنگ شامی لشکر کے ساتھ تین دن تک ہوتی رہی، جس میں بالآخر شامی لشکر کی فتح ہوئی، عین وردہ میں بڑے شیعی قائدین مارے گئے لیکن اس کے باوجود عبدالملک کے سامنے عراق پہنچنے کے لیے کئی مشکلات اور رکاوٹیں تھیں، ان میں سب سے بڑی رکاوٹ مختار بن ابی عبید ثقفی کی شخصیت تھی۔

مختار بن ابی عبید کی جلاوطنی: مختار بن ابی عبید ثقفی کوفہ کے فتنہ پردازوں میں تھا، لہٰذا اس کو حاکم کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے حوالات میں نظر بند کر رکھا تھا، چوں کہ اس کی بہن صفیہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زوجیت میں تھی، اس لیے حضرت ابن عمر نے یزید بن معاویہ سے اس کی رہائی کے لیے نمائندگی کی، یزید بن معاویہ نے رہا کرتے ہوئے اس کو کوفہ چھوڑنے کا حکم دیا، مختار ثقفی کوفہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ پہنچ گیا اور وہاں حضرت عبداللہ بن زبیر کی تحریک انقلاب کا رکن بن گیا، پھر یزید کی موت کے بعد وہ مکہ مکرمہ ہی میں پانچ ماہ تک کوفہ کے لیے لائحہ عمل طے کرتا رہا، اس بیچ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے کسی علاقے کا اقتدار بھی چاہا مگر آپ نے اس کی خباثت نفس کی وجہ سے اس کے مطالبہ کو مسترد کر دیا اور کہا کہ "اگر اللہ نے جابرین کو ہلاک کیا تو مختار ان میں سے ایک ہوگا"۔

کوفہ میں مختار ثقفی کی سرگرمی: دوران قیام مکہ مختار ثقفی کی دل چسپی کوفہ کے حالات معلوم

کرنے میں تھی، ہر کسی سے وہ اپنا تعارف کراتا اور اہل کوفہ کی خبر گیری کرتا رہا، آخر کار وہ منصوبہ بند طریقے پر کوفہ کے محاذ پر اتر گیا اور وہاں اس نے شیعوں کے قائد سلیمان بن صرد کے مقابلہ میں اپنی قیادت کو منوانے کی مہم چھیڑ دی، وہ لوگوں کو حضرت حسینؓ کے قاتل سے انتقام لینے اور خوں بہا وصول کرنے پر آمادہ کرتے ہوئے یہ بھی کہتا تھا کہ "میں آل علی کے بزرگ مہدی محمد بن علی بن حنفیہ کا نائب بن کر آیا ہوں، میں امین بھی ہوں اور مامون بھی، میں منتخب بھی ہوں اور وزیر بھی" اس طرح اس دعوی کے بعد شیعوں میں سے کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور کچھ لوگ سلیمان بن صرد کے ہی حامی بنے رہے، مختار نے نہایت بلند بانگ دعوے کیے لیکن سلیمان بن صرد نے اس کو اہمیت نہ دی، مختار کی معاونت کے بغیر جب سلیمان بن صرد نے شامی لشکر کے ساتھ جنگ کی اور ہزیمت اٹھائی تو یہ دیکھ کر مختار نے گروہ بندی بڑے پیمانے پر شروع کر دی اور اپنی قیادت منوانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

اہل کوفہ کے لیے مختار کے دعوؤں کو عجلت میں قبول کرنا اتنا آسان نہیں تھا، وہ چاہتے تھے کہ مختار کی اصلیت اور اس کے دعوؤں کی حقیقت آشکارا ہو جائے، اس لیے اہل کوفہ نے عبدالرحمان ابن شریح کی زیر قیادت ایک وفد حضرت محمد بن علی بن حنفیہ کی خدمت میں مدینہ منورہ روانہ کیا، وفد نے ابن حنفیہ کی مبہم گفتگو سے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے مختار کو کوفہ میں عاضی طور پر حضرت حسین کا خوں بہا وصول کرنے کے لیے مقرر کیا ہے، جس کی اطلاع مختار ثقفی کو ہوئی تو وہ بے حد خوش ہوا اور بڑی ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس نے خود اپنی تعریف کے پل باندھے جس سے متاثر ہو کر اہل تشیع کی ایک بڑی جماعت اس کی حامی ہو گئی، پھر وہ اپنی تیار شدہ فوج کے ساتھ کوفہ پہنچا اور اپنے حریفوں پر ایک لخت ٹوٹ پڑا نتیجتاً کوفہ پر اس کا تسلط قائم ہو گیا مگر وہاں خون آشامی کے ایک نئے دور کی شروعات ہوگئی، حضرت حسین کے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا، شک کی بنیاد پر سر قلم کیے جانے لگے، مخالفین کی سرکوبی کی جانے لگی اور پھر اعلان عام کیا گیا کہ ہر اس شخص کو امن حاصل ہوگا جو اپنا دروازہ بند کر لے، ہاں جس کا ہاتھ آل محمدؐ کے خون سے رنگا ہوا ہو اس کو قطعاً معاف نہیں کیا جائے گا، یہ سننا تھا کہ شرفا نے کوفہ کو خیرباد کہتے ہوئے بصرہ کی راہ لی، بعد ازاں کوفہ میں مختار کو قاتلین حسینؓ سے بدلہ لینے کا کھلم کھلا موقع مل گیا۔

مختار بن ابی عبید کی بصرہ پر نظر: کوفہ میں مختار بن ابی عبید کی بنیاد مستحکم ہو چکی تھی، اب وہ چاہتا تھا کہ اس کا دائرہ کار بڑھے، اس وقت بصرہ کو زبردست اہمیت حاصل تھی، مختار نے بصرہ پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی پیہم جستجو شروع کردی، اس کے لیے اس نے اپنے معاونین سے مشاورت کی، انہیں آمادۂ پیکار کیا، جنگی وسائل ازسرنو منظم کیے اور بصرہ میں داخل ہو کر اہل بصرہ سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی اور پھر اپنے دشمنوں اور حریفوں کو قتل کرنے اور شہر بدر کرنے کی روش پر چل پڑا۔

واقعہ یہ ہے کہ اہل عراق کو بنوامیہ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے اس لیے عقیدت و محبت تھی کہ ان کا تعلق اہل بیت سے تھا، اسی وجہ سے کوفہ اور بصرہ پر مختار کا قبضہ اولاً عبداللہ بن زبیر کے خلاف اور ثانیاً عبدالملک بن مروان کے خلاف متصور ہوتا تھا، چنانچہ مختار نے منصوبہ بنایا کہ سب سے پہلے عبداللہ بن زبیر کے بھائی حاکم عراق مصعب بن زبیر کو جھانسا دے کر عراق سے بے دخل کیا جائے، تاکہ جنگ کا ایک ہی محاذ باقی رہے اور وہ عبدالملک بن مروان کا شامی محاذ ہو۔

مختار بن ابی عبید بصرہ پر اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے تک عربوں کو خوش کرنے کے لیے چالاکی اور چابک دستی سے کام لیتا رہا، وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا تھا جس سے عرب مشتعل ہو جائیں اور اس کی تائید سے منہ موڑ لیں لیکن کچھ ہی دنوں میں مختار نے علی الاعلان "مقدس کرسی" کا شوشہ چھوڑا اور کہا کہ اے لوگو: بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت تھا، اس تابوت میں آل موسیٰ و ہارون کی باقیات تھیں، جس کو وہ اپنے کسی بھی معرکے میں لے جاتے تو انہیں فتح ضرور حاصل ہوتی تھی اور پچھلی قوموں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس امت کے ساتھ بھی ہونے والا ہے اور ہمارے درمیان مقدس کرسی کی حیثیت تابوت جیسی ہے، سب سے پہلے اس کی تائید سبائیوں نے کی جس سے شہ پا کر اس نے مقدس کرسی کی تلاش شروع کردی، اس ضمن میں وہ آل جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت علیؓ کی ہمشیرہ حضرت ام جعدہ ام ہانی بنت ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت علیؓ کی کرسی طلب کرنے لگا، حضرت ام ہانی نے اس طرح کی کرسی کی موجودگی سے لاعلمی ظاہر کردی تو لوگوں میں اس بات کے چرچے ہونے لگے، مختار ثقفی بہت پریشان ہوا، اسی دوران طفیل بن جعدہ نے اتفاقاً اپنی کنیز زیات کے پاس ایک

قدیم زنگ آلود کرسی دیکھی تو فوری اس کا ذہن مختار کی خواہش کی طرف منتقل ہو گیا، چنانچہ طفیل نے زیات سے وہ کرسی لے کر اسے سجا کر یہ کہتے ہوئے مختار کی خدمت میں پیش کی کہ یہ وہ کرسی ہے جس پر حضرت علیؓ کے ہمشیرزادے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی (خاندان حضرت علی کے ایک فرد) بیٹھا کرتے تھے، ان کو لگتا تھا کہ اس پر علم و معرفت کے اثرات ہیں، اس کرسی کو پا کر مختار بے انتہا خوش ہوا اور اس نے بہ طور انعام طفیل کو بارہ ہزار کا عطیہ دیا۔

مختار ثقفی نے جب اہل بصرہ سے بیعت مکمل کرلی تو شامی کے اموی قائد عبیداللہ بن زیاد سے مقابلہ آرائی کے لیے ابراہیم بن اشتر کی قیادت میں سرزمین عراق کے مقام "تخوم" پر ایک لشکر جرار روانہ کیا، مختار نے فوج کے ساتھ مقدس کرسی بھی بھیجی، شامی لشکر کے ساتھ اس جنگ میں ابراہیم بن اشتر کو فتح حاصل ہوئی اور عبیداللہ بن زیاد مارا گیا، لوگوں نے خیال کیا کہ اس کرسی کی وجہ سے ابراہیم بن اشتر کو فتح و نصرت حاصل ہوئی ہے، اس کامیابی سے مختار کا اثر و نفوذ مزید بڑھ گیا۔

عبداللہ بن زبیر کے ساتھ مختار کی جنگ: شامی معرکے کے بعد مختار ثقفی نے عراق میں واقع حضرت عبداللہ بن زبیر کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی خاطر انہیں اپنی طرف سے اطمینان دلاتے ہوئے مکر و فریب کاری کا سلسلہ شروع کردیا، اسی ضمن میں انہیں کئی خطوط تسلی کے لکھے، پھر چند ہی دنوں بعد ہی اس نے اچانک سات سو عربوں پر مشتمل تین ہزار کی فوج مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کو محصور کرنے کے لیے روانہ کی، اس کی اطلاع ملتے ہی حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی عباس ابن سہل کی امارت میں مقابلہ کے لیے ایک لشکر بھیجا، چنانچہ شدید جنگ کے بعد ابن زبیر کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی، اس کامیابی سے حوصلہ پا کر عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو مختار ثقفی کی سرکوبی کے لیے فوجی دستے کے ساتھ کوفہ روانہ کیا، اس سخت معرکہ میں بھی ابن زبیر کی فوج کامرانی سے ہمکنار ہوئی جس میں سپہ سالار مختار بن ابی عبید ثقفی کا خاتمہ ہو گیا، نتیجتاً اس کے تمام انصار و اعوان بکھر گئے، بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو عراق (کوفہ) کا عامل (گورنر) مقرر کردیا۔

دمشق میں عبدالملک بن مروان کی مشکلات: عبدالملک بن مروان ارض حجاز میں پیدا شدہ حالات کی طرح عراق کی صورت حال پر بھی گہری نظر رکھے ہوئے تھے، وہ ہر دو جگہوں پر

اپنی بنیادوں کو مستحکم کرتے رہے اور تعلقات کو وسعت دیتے رہے، لیکن ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ کوئی ٹھوس اور مثبت قدم اٹھانے کے موقف میں نہیں تھے، چوں کہ چند ہی دن پیشتر ان کی فوج کو مختار بن ابی عبید کے مقابلہ میں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا، یہ الگ بات ہے کہ مختار کی موت حضرت عبداللہ بن زبیر کی فوج کے ہاتھوں ہوئی، مختار کی موت سے ابن زبیر اور عبدالملک ہر دو کو کو فائدہ پہنچا، ایک طرف عراق کے حوالہ سے ابن زبیر کو عبدالملک سے مقابلہ کرنے کے لیے مادی اور معنوی ہر طرح کا تعاون حاصل ہوا، دوسری طرف مختار کی ہلاکت سے عبدالملک کا خوف لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا، جس کی وجہ سے بڑی تیزی کے ساتھ عبدالملک کو حرکت کرنے کا سنہری موقع ہاتھ لگ گیا، عبدالملک نے ان ہی حالات کے مدنظر عراق کی طرف پیش قدمی کرنے کا ارادہ کیا، تاکہ وہاں سے ابن زبیر کو بے دخل کیا جائے لیکن عبدالملک کے لیے حالات اس وقت دگرگوں ہوگئے جب کہ ان کا ایک قرابت دار عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ نے دمشق میں عبدالملک کے خلاف ایک نیا فتنہ برپا کردیا۔

عمرو بن سعید کی بغاوت اور اس کا قتل: عمرو بن سعید کا خیال تھا کہ وہ طاقت اور صلاحیت کے لحاظ سے عبدالملک کا ہم سر اور اس کی سلطنت کا شراکت دار ہے، یہ نزاع اس وقت کھل کر سامنے آئی جب عبدالملک عراق پر چڑھائی کرنا چاہتے تھے، عمرو بن سعید اشدق نے کہا، آپ عراق پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جب کہ آپ کے والد (مروان بن الحکم) نے اپنے بعد اس معاملے کو میرے حوالہ کردیا ہے، اس لیے آپ عراق سے دست بردار ہوجائیے اور اس محاذ کو مجھے سنبھالنے دیجیے، عمرو بن سعید کے اس مطالبہ پر عبدالملک نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہ دیا، دونوں دمشق سے نکل کر حبیب بن مسلمہ فہری سے ملنے کے لیے قرقیس چلے گئے، عمرو بن سعید نے عبدالملک کی بے خبری میں راتوں رات دمشق کی راہ لی اور بیت المال پر قبضہ کرلیا، جب عبدالملک کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ دمشق لوٹ آئے، بعد ازاں ان دونوں کے درمیان مفاہمت کا سلسلہ مہینوں چلتا رہا مگر عمرو بن سعید کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے معاملہ سلجھ نہیں پایا، آخر کار عبدالملک نے تنگ آکر عمرو بن سعید کو عدم کی راہ دکھادی، پھر اپنے احباب سے مشورہ کے بعد آل سعید کو مصعب بن زبیر کے حوالہ کردیا اور عمرو بن سعید کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا۔

دمشق پر رومیوں کا حملہ: عبدالملک بن مروان اس اندرونی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد باقی ماندہ مسائل سلجھانے میں مصروف ہوگئے اور ساتھ ہی ابن زبیر کے خلاف جنگ کی تیاریاں بھی جاری رہیں، ان دو محاذوں پر عبدالملک کی بے محابا سرگرمیوں سے رومیوں نے فائدہ اٹھایا اور وہ وسیع تر حملہ کرتے ہوئے دمشق کی فصیلوں تک پہنچ گئے، عبدالملک نے اس غیر متوقع صورت حال کو دیکھا تو نقض امن کے خوف سے شہنشاہ روم سے مصالحت کرلی اور ہر جمعہ ایک ہزار دینار بہ طور تاوان دینا منظور کرلیا، انہوں نے یہ سمجھوتہ اس لیے کیا تاکہ ایک طرف ابن زبیر کے خلاف مکمل تیاری کا موقعہ فراہم ہوسکے اور دوسری طرف رومیوں کے معین و مددگار قبائل کی سرکوبی کی جائے۔

جب مصالحت کی بنا پر عبدالملک کو رومیوں سے بے فکری ہوگئی تو انہوں نے سحیم بن المہاجر کو ان تمام لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا، جنہوں نے رومیوں کا ساتھ دیا تھا، سحیم بن مہاجر نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے جبل اللکام کے قبائیلیوں کو دام فریب میں مبتلا کرتے ہوئے انہیں اپنا ہم نوا بنالیا، جب اس کے پاس سپاہیوں کی ایک قابل لحاظ تعداد جمع ہوگئی تو اس نے اقدام کرتے ہوئے پہلے وہاں کے قائد کا سر قلم کردیا، پھر بڑی بے باکی سے جرجمیوں اور نبطیوں کی کثیر جماعت کو موت کے گھاٹ اتار دیا، تاہم اس نے چند لوگوں کو امان بھی دی مگر وہ لوگ مختلف دیہاتوں میں منتشر ہوگئے، اس طرح سحیم بن مہاجر کامیاب و کامران اپنے مشن سے دمشق لوٹ آیا۔

قیسیا کے قبائلی باشندے: قیسیوں اور یمنیوں کے درمیان ایک عرصے سے مقابلہ آرائی ہو رہی تھی اور یہ داخلی جنگ طول پکڑتی جارہی تھی، قیسی مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور عراق میں ان کے بھائی مصعب بن زبیر کا تحفظ چاہتے تھے، جب کہ یمنیوں کی حمایت بنوامیہ یعنی عبدالملک کے ذمہ تھی، عبدالملک کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ عوامی انتشار کو پس پشت ڈال کر مصعب بن زبیر سے جنگ کے لیے عراق کی طرف پیش قدمی کرتے، لہذا انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر اولاً قیسیوں کو زیر کیا، ان کے قائد فر بن حرث سے مصالحت کی اور اس کو مصلحتاً اپنے قریب کرلیا، اس طرح عبدالملک کے لیے عراق میں اپنے حریف مصعب بن زبیر سے جنگ کرنا ممکن ہوا۔

عراق کی طرف عبدالملک بن مروان کی پیش قدمی: عبدالملک کی حکومت کو جب ملک شام

میں استحکام حاصل ہوگیا اور وہاں ان کے لیے کسی قسم کی کوئی مخالفت باقی نہیں رہی تو انہوں نے عراق میں مصعب بن زبیر سے جنگ لڑنے کی ٹھان لی، اس کے لیے سب سے پہلے سلطنت کے عمائد سے مشاورت کی، کچھ لوگوں نے عراق پر حملہ نہ کرنے کی صلاح دی مگر خود عبدالملک بن مروان اور ان کے بھائی محمد بن مروان کی رائے تھی کہ عراق پر چڑھائی کی جائے اور وہاں سے مصعب بن زبیر کو بے دخل کیا جائے، عبدالملک بن مروان ہمت آور، بہادر اور جنگی طریقوں کے ماہر تھے، جب کہ مصعب بن زبیر کو جنگی مہارت حاصل نہ تھی، اس لیے انہوں نے خود بہ نفس نفیس عراقی محاذ کو سر کرنے کے لیے اپنے بھائی محمد کے ہم راہ ایک طرف قرقیسیا کے سردار زفر بن حرث سے صلح کرلی، دوسری طرف عراق کے عمائد اور اشراف سے اور خود مصعب بن زبیر کے انصار سے مکاتبت کر کے ان کو اپنا ہم نوا بنالیا، عبدالملک نے مصعب بن زبیر کو باہمی مفاہمت کے ذریعے ان ہی کی زیر قیادت عامل عراق کے منصب پر بحال رہنے کی تجویز پیش کی، مگر اس پیش کش کو مصعب بن زبیر نے نہ صرف ٹھکرادیا بلکہ طویل مشاورت کے بعد موصل اور جزیرہ کے عامل ابراہیم بن اشتر کے ساتھ محاذ جنگ پر جانے کا بھی فیصلہ کیا، چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو ابتدائی جھڑپوں میں ہی مصعب بن زبیر کے بعض حامی بشمول ابراہیم بن اشتر مارے گئے، حالانکہ مصعب بن زبیر بڑی بہادری اور پامردی سے داد شجاعت دے رہے تھے، ان کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ عین میدان کارزار میں ان کے بہت سارے حامیوں نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کردیا حتی کہ امان کی پیش کش کی بنا پر ان کے لڑکے عیسی بن مصعب نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ کر عبدالملک اور محمد کا ساتھ دینے کا اعلان کردیا، یہ الگ بات ہے کہ عیسی کا فیصلہ اپنے ہی باپ کے ہاتھوں اس کے قتل کا ذریعہ بنا، اس افتاد کے بعد بھی طویل جھڑپ چلتی رہی، یہاں تک کہ عبیداللہ بن زیاد بن ظبیان نے مصعب بن زبیر کو اپنے بھائی نابئ بن زیاد کے قتل کے بدلہ میں ابدالآباد کے لیے خاموش کرتے ہوئے ان کا سر عبدالملک بن مروان کی خدمت میں پیش کیا، یہ دیکھ کر عبدالملک نے سکون کا سانس لیا اور بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے باپ اور بیٹے یعنی مصعب و عیسی کے سر کٹے دھڑوں کو ''نہر دجیل'' کے پاس ''دیر جاثلیق'' میں دفن کرنے کا حکم دیا۔

مصعب کے قتل کے بعد عبدالملک نے اپنا لشکر پھر سے منظم کیا اور مصعب کے کٹے ہوئے

سر کے ساتھ کوفہ کی راہ لی، پھر وہاں سے انہوں نے وہ سر مصر میں اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان کے پاس بھیج دیا، عبدالعزیز نے سر دیکھا تو کہا ''اللہ تم پر رحم کرے، بہ خدا تم ان تمام میں سب سے زیادہ بااخلاق، باہمت اور بہت بڑے فیاض و سخی تھے'' بعدازاں مصعب بن زبیر کے سر کو شام روانہ کیا گیا، جہاں دمشق میں زوجۂ عبدالملک عاتکہ بنت یزید بن معاویہ نے قاتلوں پر لعنت بھیجتے ہوئے سپاہیوں کے قبضے سے سر مصعب کو حاصل کرلیا پھر غسل دے کر اس کی تدفین کردی۔

عبدالملک بن مروان نے چالیس دن تک مقام ''نخیلہ'' میں قیام کیا، اس دوران عراقی فوج سے بیعت لی، پھر وہاں سے کوفہ روانہ ہوگئے جہاں عوام و خواص اور قبائل سے بیعت لینے اور امن و امان دینے کا سلسلہ جاری رہا، بعدازاں کوفہ، ہمدان اور ری وغیرہ کے لیے والی مقرر کیے گئے اور پھر جشن فتح منایا گیا، مصعب بن زبیر کے حامی جنرل مہلب بن ابی صفرہ الازدی اپنے سپاہیوں کے ساتھ بصرہ میں خارجیوں کے گروہ ''ازارقہ'' کے ساتھ برسرپیکار تھے، جب انہیں مصعب کے قتل اور عبدالملک کے فتح یاب ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے بھی عبدالملک بن مروان کے لیے لوگوں سے بیعت لی، یاد رہے کہ مہلب بن ابی صفرہ وہ بہادر کمانڈر ہیں جنہوں نے خارجیوں کے فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر ان کی بغاوت کچل کر رکھ دی۔

سکۂ عرب کے اجرا کے لیے عبدالملک بن مروان کا حکم: عبدالملک بن مروان نے جب عراق و مشرق میں اپنی سلطنت مستحکم کرلی تو روم سے اپنا حساب بے باق کرنے کا منصوبہ بند ارادہ کرلیا، اس تعلق سے پہل کرتے ہوئے انہوں نے روم کے علاقے قیساریہ پر قبضہ کرلیا، بعدازاں شہنشاہ روم کو خطوط لکھے جن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، قل ھو اللہ احد اور ہجری تاریخ تحریر کرنے کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کے مقدس تذکرے کی بھی پہل کی، یہ ایک ایسا غیر معمولی واقعہ تھا جس کی وجہ سے شہنشاہ روم بے چین ہو اٹھا اور اس نے عبدالملک بن مروان کو مکتوب روانہ کرتے ہوئے انتباہ کیا کہ ''تم نے فلاں فلاں بدعت جاری کی ہے، تم اس سے باز آؤ، ورنہ ہمارے ڈھلے ہوئے دینار پر تمہارے نبی کے ایسے تذکرے طبع کیے جائیں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے''۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان یہ چیلنج نہ تو آسانی کے ساتھ قبول کرسکتے تھے اور نہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرسکتے تھے، انہوں نے اپنے مصاحبین و معتمدین سے صلاح و مشورہ کیا، مشورہ

میں خالد بن یزید بن معاویہ نے کہا'' ان کے دیناروں کو روک دیجیے اور ایک ایسا سکہ لوگوں کے لیے ڈھالیے جس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو'' چنانچہ عبدالملک بن مروان کو مذکورہ رائے بے حد پسند آئی اور انہوں نے نقود عرب درہم و دینار کی صورت میں ڈھال کر جاری کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی سلطنت میں عربی سکے ڈھالنے کی یہ پہلی کوشش نہ تھی بلکہ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب نے اپنے دور خلافت میں سکہ خسروی کے طرز پر دراہیم ڈھالے تھے جن میں سے بعض پر (لا الہ الا اللہ وحدہ) دیگر پر ''الحمد للہ'' اور بعض درہموں پر ''محمد رسول اللہ'' مرقوم و مطبوع تھا، علاوہ ازیں آپ نے ایک سکہ ایسا بھی جاری فرمایا تھا جس کو ''بغلیہ'' کہا جاتا تھا، یہ اس لیے کہ خسروی سکہ پر خنجر کا سر اور بادشاہ کی تصویر ہوتی تھی اور اس کے نیچے فارسی زبان میں ''خوش خور'' (یعنی اچھا کھاؤ) لکھا ہوا ہوتا تھا، خلفائے راشدین کے عہد میں والیوں اور حاکموں نے جو نقود ۲۸ ہجری میں طبرستان کے قصبہ ہرتک میں ڈھالے تھے اس کے دائرہ میں خط کوفی میں (بسم اللہ ربی) لکھا ہوا تھا، علاوہ ازیں اس طرح کی عبارت اور اس طرز پر ۳۸ ہجری میں ڈھالے گئے سکے بھی دست یاب ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جو درہم ڈھالے گئے تھے ان پر اللہ اکبر منقش تھا، حضرت امیر معاویہ (۴۱-۶۰ھ) نے دینار ڈھلوائے، جن پر تلوار کی تصویر تھی، حضرت عبداللہ بن زبیر نے (۶۴-۷۳ھ) مکہ مکرمہ میں پہلی مرتبہ گول شکل کے درہم بنوائے، ورنہ اس سے پیشتر جو بھی سکے تھے وہ بھدے اور بے ڈھب تھے جس کے ایک جانب ''محمد رسول اللہ اور دوسری جانب امر اللہ بالوفاء والعدل'' نقش تھا، عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر کے حکم سے عراق کے ٹکسال میں درہم ڈھالے گئے، اسی طرح ۶۱ھ میں ''یزد'' میں ڈھالے گئے سکوں کا بھی پتہ چلا ہے جس کے دائرہ میں ''عبداللہ بن الزبیر امیر المومنین'' مرقوم تھا، تاہم ان تمام سکوں کے پائے جانے کے باوجود یہ سلطنت عرب اسلامی کے سرکاری سکے نہ تھے بلکہ ایک طرح سے یہ کرنسی رومی و فارسی نقود کی نقل اور خسروی سکوں کی ترقی یافتہ شکل تھی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان (۷۳-۸۶ھ) نے اپنی مملکت کے عہدے داروں کو اپنے سکے جاری کرنے کا حکم دیا، انہوں نے ان سکوں کو تمام اسلامی ممالک میں روانہ کیا اور اسی کے

ذریعہ لین دین کا حکم جاری فرمایا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو قتل کرنے کی دھمکی دی، رومی اور فارسی نقود کو کالعدم ٹھہرایا، یہی نہیں بلکہ انہیں جمع کر کے دارالضرب یعنی ٹکسال (Mint) میں ڈال دینے کا فرمان جاری کر دیا، تاکہ ان سے عرب اسلامی سکے ڈھالے جا سکیں۔

جب عبدالملک بن مروان نے اپنی حکومت کے والیوں اور عمال کو اسی طرح کے سکے بنانے کی اجازت دی تو حاکم عراق حجاج بن یوسف نے عراق میں درہم بنوایا جس میں ''قل ہو اللہ احد'' مرقوم تھا، لوگوں کو قرآن کی تقدیس کے تئیں یہ بات ناگوار گزری کیوں کہ دراہم حائضہ اور جنبی کے ہاتھوں میں گشت کرتے رہیں، حجاج بن یوسف نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا درہم بنانے سے سختی سے منع کیا، حجاج کے منع کرنے کے باوجود سمیر یہودی نے کرنسی تیار کی تو حجاج اس کو قتل کرنے لگا، اس پر سمیر یہودی نے کہا کہ ''میرے درہم کا ٹھپہ تمہارے درہم سے بہتر ہے، پھر تم مجھے کیوں قتل کرنے پر تلے ہو'' اس پر بھی حجاج نے اس کو نہیں چھوڑا تو اس نے لوگوں کی سہولت کے لیے اوزان کی پیمائشی عرض کے لیے) بنائی تا کہ لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دے سکیں۔

خلیفہ یزید بن عبدالملک کے عہد (۱۱۰-۱۰۵ھ) میں حاکم عراق عمر بن ہبیرہ نے سب سے پہلے وزن کے سلسلہ میں شدت برتی اور سکوں کے لیے پہلے سے زیادہ خالص چاندی کا استعمال کیا، پھر خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور (۱۰۵-۱۲۵ھ) میں حاکم عراق و بلاد مشرق خالد بن عبداللہ القسری نے ابن ہبیرہ سے بھی زیادہ شدت اختیار کی، بعد ازاں خالد کے مقام پر تعینات یوسف بن عمر ثقفی نے تو حد کر دی، چنانچہ اس نے ایک دن ٹھپہ کی جانچ کرائی تو درہم میں ایک حبہ کم نکلا، اس پر اس نے ہر کاری گر کو ہزار کوڑے لگوائے، وہاں سو کاری گر تھے، اس طرح اس نے ایک حبہ پر ایک لاکھ کوڑے لگوائے۔

بنوامیہ کے دور عروج میں ہبیریہ، خالدیہ اور یوسفیہ بہترین نقود سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ منصور خراج میں ان کے علاوہ دیگر نقود قبول نہیں کرتا تھا، یہ امر ذہن نشیں رہے کہ عجمیوں کے درہم چھوٹے بڑے مختلف شکل کے ہوتے تھے وہ اس کو مثقال پر ڈھالتے تھے، کبھی اس مثقال کا وزن بیس قیراط اور کبھی بارہ قیراط اور کبھی دس قیراط ہوا کرتا تھا، یہ مثقال کی الگ الگ قسمیں تھیں، جب اسلام میں درہم کے رواج کی ابتدا ہوئی تو حسب سابق بیس، بارہ اور دس قیراط

کے دراہم ڈھالے جانے لگے جن کا مجموعی وزن بیالیس قیراط ہوتا ہے، مگر بعض لوگوں نے اس کے چوتھائی حصے یعنی چودہ قیراط کے درہم ڈھالے، اس طرح سے عرب درہم کا وزن چودہ قیراط مقرر ہوا اور دس درہم کا وزن سات مثقال پڑا۔

الغرض خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عربی سکوں کو رواج دینے کا کام عربی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوا، چنانچہ ۷۵ھ میں انہوں نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جو بھی علمی ذخیرہ یونانی، بازنطینی، ایرانی وغیرہ دیگر عجمی زبانوں میں موجود ہے، اس کو عربی میں منتقل کیا جائے، اس حکم نامہ کا ایک اور اہم فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے ذہنوں میں ''وحدت سلطنت عربی اسلامی'' کا تصور شدت سے ابھرا جو متحدہ سلطنت اسلامیہ کا اساس بنا، پھر اسی اتحاد کے نتیجے کے طور پر اس عہد میں علمی و فقہی انجمنوں کا فروغ ہوا اور جا بجا محدثین علما اور فقہا کی مجلس آراستہ ہونے لگی، لہذا یہ کہنا حق بہ جانب ہوگا کہ خلیفہ عبدالملک کا دور حقیقتاً اسلامی علمی و سیاسی تاریخ کا زریں عہد تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر سے عبدالملک بن مروان کی جنگ: جب تمام اسلامی مراکز پر عبدالملک بن مروان کا تسلط قائم ہوگیا تو اب اس کی نظر مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی اہم ترین طاقت پر ٹھہر گئی، متحدہ عرب اسلامی سلطنت کے قیام کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہوسکتا تھا جب اس عظیم مقصد کے تحت اس خطرہ کو ختم کردیا جائے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی ناقابل تسخیر طاقت کی شکل میں مکہ مکرمہ میں موجود تھا، عبدالملک بن مروان نے اپنی اس خواہش کو حقیقت کا روپ دینے کا عزم مصمم اسی وقت کرلیا تھا جب انہوں نے دمشق میں اپنے ہاتھ پر لوگوں سے بیعت کرائی تھی لیکن ان کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر کو زیر کرنا اتنا آسان نہ تھا، لہذا عبدالملک بن مروان نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف ''اعصابی جنگ'' کی حکمت عملی اپنائی، انہوں نے سب سے پہلے عروہ بن انیف کو چھ ہزار شامیوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ کر شہر میں داخل نہ ہونے اور باہر ہی پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے عامل حرث بن حاطب بن حرث کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ وہاں سے فرار ہوگئے، ادھر عروہ بن انیف جمعہ کے دن فقط شہر میں داخل ہوتے اور نماز جمعہ پڑھا کر اپنی چھاؤنی میں واپس چلے آتے، اس

طرح عروہ نے ایک ماہ تک وہاں قیام کیا مگر اس دوران حضرت عبداللہ بن زبیر نے صورت حال جاننے کے لیے کسی کو روانہ نہیں کیا، پھر عبدالملک بن مروان نے عروہ کو دمشق لوٹ آنے کا حکم دیا تو تعمیل حکم کے بعد میدان خالی دیکھ کر عامل مدینہ حرث بن حاطب مدینہ چلے آئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے خیبر اور فدک کے لیے ایک مرد صالح سلیمان بن خالد زرقی انصاری کو عامل مقرر کیا، ادھر عبدالملک بن مروان نے عبدالواحد بن حرث کی قیادت میں چار ہزار جنگ جو وادی القری بھیج دیے اور ابوالقمقام کی قیادت میں پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ خیبر و فدک کے عامل سلیمان کے مقابل روانہ کردیا، سلیمان نے یہ دیکھ کر بھاگنا چاہا مگر فوجیوں نے انہیں پکڑ کر قتل کردیا، عبدالملک بن مروان کو اس پر کافی افسوس ہوا، انہوں نے کہا کہ ''ان لوگوں نے بغیر کسی جرم کے ایک نیک مسلمان کا قتل کیا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے مدینہ کے کم زور عامل حرث بن حاطب کو معزول کرتے ہوئے ان کی جگہ جابر بن اسود بن عوف زہری کو مقرر کیا، جابر نے چھ سو چالیس سواروں کے ساتھ فدک کے مقام پر ابوالقمقام اور اس کے دستہ کو شکست فاش دی، تیس مردوں کو قید کرلیا اور باقی تمام قتل کردیے گئے۔

پھر عبدالملک بن مروان نے حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام طارق بن عمرو کی زیر قیادت گھوڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا اور اس کو ایلہ اور وادی القری کے درمیان اترنے کا حکم دیا، تاکہ وہ عبداللہ بن زبیر کے عاملوں کو منتشر ہونے سے روک سکے، طارق نے والیٔ مدینہ ابوبکر سے قتال کرنے کے لیے پیش قدمی کی، اس مڈبھیڑ میں ابوبکر کے علاوہ اس کے اصحاب میں سے دو سو سے زائد افراد مارے گئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیر نے شامیوں سے جنگ کرنے کے لیے بصرہ سے دو ہزار شہسوار طلب کیے، اس معرکے میں شامی لشکر کے سپہ سالار طارق بن عمرو نے وادی القری کے قریب بصریوں کے قائد سمیت کئی سپاہیوں کو بے دریغ قتل کردیا، اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کافی پریشان ہوئے، چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے عامل مدینہ جابر بن اسود کو معزول کرکے طلحہ بن عبیداللہ بن عوف معروف بہ طلحہ الندی کو

نیا والی مقرر کیا، مگر طارق بن عمرو نے اس کو بھی نکال باہر کیا۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا اقتدار ختم کرنے کے لیے حجاج بن یوسف کو تین ہزار کی فوج دے کر کوفہ سے طائف روانہ کیا اور حجاج بن یوسف کے توسط سے انہوں نے عبداللہ بن زبیر کے آگے بہ شرط اطاعت امان دینے کی تجویز رکھی لیکن ابن زبیر نے اس پیش کش کو مسترد کردیا، آخر کار ٹکراؤ کی نوبت آہی گئی جس میں میدان عرنہ میں ابن زبیر کے فوجی دستہ کو شکست ہوگئی، بعد ازاں حجاج بن یوسف اور وادی القری سے آئے ہوئے جنرل طارق بن عمرو نے مکہ مکرمہ کا مکمل محاصرہ کرلیا، پھر ابوقبیس کے ٹیلے پر منجنیق نصب کیا گیا جس سے حرم شریف میں پناہ گزیں حضرت عبداللہ بن زبیر پر نشانہ باندھنے کے لیے کعبۃ اللہ پر پتھر پھینکے گئے، محاصرے کے دوران جب موسم حج آیا تو حج کے لیے حاضر ہوئے، حضرت عبداللہ ابن عمر کی تحریری نصیحت کی بنا پر یہ مکروہ عمل روک دیا گیا، البتہ جب لوگ ارکان حج سے فارغ ہوگئے تو حجاج کرام کو حرم شریف خالی کرنے کے لیے کہا گیا، تا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر پر حملہ کیا جاسکے، اسی بیچ قہر خداوندی آنکھوں کو خیرہ کردینے والی چمک اور بادلوں کی ہیبت ناک گرج کی شکل میں ظاہر ہونے لگی، شامیوں نے خوف کے مارے اپنے ہاتھ روک لیے لیکن حجاج بن یوسف کی بے جا جرأت اور نامعقول ضد نے انہیں پھر سے برسرپیکار ہونے پر آمادہ کیا، حضرت عبداللہ بن زبیر مشکل میں پڑ گئے، تقریباً سات ماہ سے زائد عرصے تک محاصرہ جاری تھا، آپ کے غلے اور ساز وسامان کے ذخائر ختم ہونے لگے تھے، نیز آپ کے دو صاحب زادے حمزہ اور خبیب کے علاوہ دس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے امن طلب کرلی تھی، ادھر حجاج بن یوسف ثقفی محاصرہ تنگ کرتے ہوئے مسجد تک آپہنچا تھا، اب حضرت عبداللہ بن زبیر کے لیے زمین تنگ ہوگئی تھی مگر آپ نے ہمت نہیں ہاری، بڑی دلیری اور بے جگری سے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، بھوکے شیر کی طرح شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں لقمۂ اجل بناتے رہے، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود چوں کہ دشمن کی تعداد ہزاروں میں تھی اور آپ کے جاں نثار چند ہی رہ گئے تھے، لہٰذا آپ نے زبردست مزاحمت کے بعد ۷۲ سال کی عمر میں جام شہادت نوش کرلیا، آپ کی خلافت کی مدت نو سال رہی، حضرت عبداللہ بن زبیر کی

شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کے لیے لوگوں سے بیعت لی گئی، اس کے بعد عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا عامل مقرر کیا، حجاج نے مدینہ منورہ پہنچ کر ان لوگوں کے ہاتھ پر گرم سیسے سے داغ لگائے جنھوں نے حضرت عثمان کے قتل میں شرکت کی تھی یا کسی طرح تعاون کیا تھا۔

پھر ایک مدت کے بعد حجاج بن یوسف کی جرأت اور اولوالعزمی کے مدنظر خلیفہ عبد الملک نے کوفہ کے حالات کو قابو میں لانے کے لیے ۷۵ھ میں کوفہ کا عامل بنایا اور حسب توقع حجاج نے وہاں اپنی سخت مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظم ونسق پر گرفت حاصل کی مگر حجاج کے ظلم واستبداد کا ردعمل شورشوں اور بغاوتوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عبدالملک کا عہد امارت شورشوں اور بغاوتوں کی آماجگاہ بنا رہا، ایک شورش ختم نہ ہوتی کہ دوسری سر اٹھا لیتی لیکن ان تمام شورشوں میں عبداللہ بن جارود کی شورش پورے دو (۷۵-۷۶) سال (۷۶-۷۷) اور عبدالرحمان بن اشعث کی شورش مکمل چار سال (۸۱-۸۵ھ) تک ایوان سلطنت کی نیند حرام کرتی رہی، ان ناسازگار حالات میں بھی عبد الملک بن مروان نے پوری پامردی و دیدہ وری کے ساتھ ان بغاوتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے انہیں کچل دیا، اس طرح آخر کار انہوں نے اپنی قائدانہ صلاحیت کی چھاپ شام، عراق اور حجاز کے تمام خطوں پر چھوڑا۔

عبدالملک کے دور کی فتوحات: داخلی بحران اور تقریباً خانہ جنگی کے باوجود خلیفہ عبدالملک ابن مروان نے بیرونی محاذوں پر سخت نگرانی برقرار رکھتے ہوئے اعدا پر اقدام اور حملہ کا منصوبہ بھی تیار کیا، ۷۲ھ میں خود ہی اپنے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے قیساریہ روم پر قبضہ کیا، پھر جب ۷۳ھ میں اپنے بھائی محمد بن مروان کو جزیرہ اور آرمینہ کا عامل مقرر کیا تو محمد نے وہاں پہنچ کر معرکہ آرائی کی اور دشمن کو زیر کرلیا، بعد ازاں ۷۴ھ میں عبدالملک بن مروان نے حسان بن نعمان غسانی کی سربراہی میں ایک بھاری بھرکم فوج قیروان اور قرطاجنہ کے علاقوں میں بھیج دی، یہ فوج اتنی زبردست تھی کہ افریقہ نے کبھی اس طرح کی فوج اپنے علاقوں میں دیکھی نہیں تھی، وہاں کے حاکم افریقہ کے سب سے بڑے شہنشاہ تھے، مسلمانوں نے اس سے کبھی جنگ نہیں لڑی

تھی، جب حسان بن نعمان غسانی اپنی فوج لے کر وہاں پہنچے تو وہاں رومیوں اور بربر کی بے شمار تعداد دیکھنے میں آئی، حسان نے جب ان کا محاصرہ کرکے ان میں سے ڈھیر سارے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو ان میں سے کچھ نے صقلیہ اور کچھ نے اندلس (اسپین) پہنچ کر پناہ لی، حسان نے صقلیہ اور اسپین تک ان کا پیچھا کیا، ان کے لوگوں کو قید کیا، دشمنوں کو بے دریغ قتل کیا، ادھر حسان بن نعمان کو پتہ چلا کہ روم اور اس کے بربری حلفا شہر بنزرت اور صطفورۃ میں پھر سے جمع ہو رہے ہیں تو وہ ان کی سرکوبی کرنے کے لیے چل پڑے، مقابلہ کانٹے کا رہا، حسان کے فوجیوں کو صبر آزما مشکلات اٹھانا پڑیں، پھر رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔

پھر بحکم خلیفہ مہلب بن صفرۃ (متوفی ۸۳ھ) نے خوارج کی بغاوت پوری طرح کچل دینے کے بعد اپنی فوج کے ساتھ ماوراء النہر (نہر سیحون) جا کر ترکوں سے جنگ کی اور ۸۰ھ میں ''کش'' کو فتح سے ہم کنار کیا۔

اسی طرح ۸۱ھ میں عبدالملک نے اپنے بیٹے عبداللہ کی امارت میں ملک روم پر فوج کشی کے لیے لشکر روانہ کیا، اس نے ''قالیقالا'' کو نہ صرف فتح کیا بلکہ وہاں قلعہ کی تعمیر بھی کی اور تین سو طاقت ور جنگ جوؤں کو اس کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا پھر عبداللہ نے اس مقام پر مسجد بھی بنوائی حالاں کہ اس سے پیشتر وہاں مسلمان کی بود و باش نہیں تھی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے کہ انہوں نے ایک طرف پوری سلطنت میں عربی دینار کے علاوہ کسی اور سکہ کے رواج کو ممنوع قرار دیا، دوسری طرف انہوں نے عرب اسلامی بحریہ کی طاقت کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے حضرت امیر معاویہ کے نہج پر کام کرتے ہوئے حدود سلطنت میں آنے والے طرطوس، جزیرۃ العرب اور قرطاجہ (تونس) کے تین بندرگاہوں میں جہاز سازی کی بنیاد رکھی، جس کے نتیجہ میں عرب اسلامی جنگی بیڑہ، بحر ابیض متوسط کے نصف مشرق پر اپنا تسلط قائم رکھنے میں کامیاب ہو گیا، علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ افریقہ کی فتوحات میں عرب بحری ترقیات کا بنیادی اور زبردست حصہ رہا ہے۔

الغرض امیر المومنین عبدالملک بن مروان کی پوری زندگی جہد مسلسل اور عمل پیہم سے عبارت ہے، ان میں خود اعتمادی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ درست راہ پر چلنے کے عادی تھے،

ان کے عہد امارت میں انتہائی کٹھن واقعات اور صبر آزما حالات پیش آئے، ہر معاملہ میں انہوں نے غلطیوں سے اپنا دامن بچایا، پوری ہوش مندی اور دانائی سے برمحل صحیح فیصلے کیے، ان کے فیصلے اتنے نازک ہوتے تھے کہ معمولی سی غلطی پر بھیانک نتائج کا امکان رہتا تھا۔

عبدالملک کی خواہش تھی کہ ان کے جانشین ان کے بھائی عبدالعزیز بن مروان کے بجائے ان کے صاحب زادے یزید بن عبدالملک بنیں لیکن اس سے اموی خاندان کے بکھرنے کے امکانات نمایاں تھے، کرشمۂ قدرت دیکھیے کہ اجل نے عبدالملک کی موت سے چند دن پہلے ہی عبدالعزیز بن مروان کو اپنی آغوش میں لے لیا، اب یزید بن عبدالملک کی جاں نشینی کے لیے راستہ ہم وار ہو گیا پھر لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، عبدالملک بن مروان نے ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء میں تقریباً ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

عبدالملک بن مروان جب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو اپنے محل کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا، محل میں ایک دھوبی کو کپڑے دھوتے ہوئے دیکھا اور کہنے لگا'' کاش میں ایک دھوبی ہوتا، کاش میں ایک دھوبی ہوتا'' اس پر سعید بن عبدالعزیز نے کہا'' خدا کا شکر ہے یہ لوگ ہمارے پاس آ رہے ہیں، ہم ان کے پاس نہیں جا رہے ہیں'' عبدالملک شدت مرض میں کہنے لگے ''میری خواہش ہے کہ میں ہر دن کسب معاش میں لگ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہتا، بہ خدا کاش میں قبیلہ تہامہ کے کسی شخص کا غلام ہوتا، اس کی بکریوں کو پہاڑوں میں چراتا اور میری کوئی حیثیت نہ ہوتی'' پھر انہوں نے کہا'' اے دنیا ہم تمہارے پاس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں'' پھر عبدالملک بن مروان نے بہ روز محشر خدا کے قہر اور اس کے عفو و درگزر کی ترجمانی کرنے والے اشعار پڑھے۔

حکومت کے نفاذ میں اجتہاد کا عمل دخل: عبدالملک بن مروان نے حکومت میں نظریہ اجتہاد کے حق کو محفوظ رکھ کر علما اور فقہا کو اپنی محفلوں سے قریب کیا اور ان سے حق و خیر کی باتوں میں مشورے لیے۔

عبدالملک بن مروان کو اس بات کا بھی ادراک ہوا کہ خیر خواہی کے جذبہ سے مشورہ طلب کرنا (استشارۃ النصح) اور چیز ہے اور نصیحت کا حد کمال تک پہنچانا (اسداء النصح) اور چیز ہے،

حکومت، خدا اور بندگان خدا کی مصلحتوں کے تحفظ کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس میں مشورہ لینے کا اہتمام ناگزیر بلکہ سنت نبویؐ پر عمل کرنے کے مرادف ہے، نبیؐ اور خلفائے راشدین نے بے شمار امور میں شوریٰ کو اہمیت دی ہے، اس لیے مشورے کے نفاذ میں خلیفہ اور امیر المومنین کو اک گونہ بالادستی حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اس پر نفاذ کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔

عبدالملک خلافت کے معاملے میں حضرت امیر معاویہ کی روش پر چلنا چاہتے تھے، حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بعد خلافت کی باگ ڈور اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کے حوالہ کی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ عبدالملک کے بعد خلافت کا حق ان کے بھائی عبدالعزیز بن مروان کا تھا، عبدالملک نے عبدالعزیز کے آگے اپنے فرزند ولید کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی، عبدالعزیز نے اپنے بیٹے ابوبکر کو خلافت دینے کی ضد پکڑی، دونوں کے درمیان مراسلت اور وفود کا طویل سلسلہ جاری رہا، عبدالملک نے قبیصہ بن ذویب سے مشورہ کے بعد اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دیا اور اپنے فرزندوں سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو خلافت دینا چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ وہ تمھیں خلافت سے باز رکھے، پھر انہوں نے ولید و سلیمان سے یہ استفسار کیا کہ کبھی تم دونوں حرام میں ملوث ہوئے؟ دونوں نے جواب دیا، بہ خدا ہرگز نہیں، یہ سنتے ہی عبدالملک کی زبان سے بے ساختہ نکلا، اللہ اکبر اور پھر کہا وہ تم دونوں کو مل کر رہے گی، خدا کا کرنا یوں ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں عبدالعزیز بن مروان کا انتقال ہوگیا، عبدالملک نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ایک بیٹے عبداللہ کو مصر کا والی مقرر کیا اور اپنے دیگر دو بیٹوں (ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا حکم جاری کیا، لوگوں نے ان دونوں کے ہاتھ پر بیعت کی۔

والیان حکومت کی تقرری میں عبدالملک بن مروان کی پالیسی: خلیفہ عبدالملک بن مروان عمال اور والیان حکومت کی تقرری کے لیے اہلیت اور صلاحیت دیکھتے تھے، مناسب جگہ کے لیے مناسب شخص کی تلاش ان کو رہتی تھی، ان کی نظر میں اہم ترین عہدۂ امارت کے لیے ایسا آدمی بہتر ہوتا تھا جس کے خاندان کی جڑیں مضبوط ہوں جو فیصلہ کو لاگو کرنے کی تاب رکھتا ہو، زندگی نے اس کو سخت روی اور صلابت فکر کی دولت سے مالا مال کیا ہو، اگر بنوامیہ کے کسی معتمد علیہ شخص میں ان کو یہ صفات نظر آجاتیں تو وہ کئی تجربات کا انتظار نہ کرتے، پہلی ہی فرصت میں اس کو عامل یا

والی حکومت مقرر کردیتے، چنانچہ حجاج بن یوسف ثقفی، مہلب بن ابی صفرہ اور حسان بن نعمان غسانی کی مثالیں اس کی واضح ثبوت ہیں، عبدالملک بن مروان کے نزدیک جن کا اعتماد بحال ہوجاتا وہ ان کو ضرور نوازتے لیکن جو ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتا اور ان کے خلاف شورش برپا کرتا وہ ان کی آتش غضب سے پھر بچ نہ سکتا تھا، ان کے چچازاد بھائی عمرو بن سعید بن عاص اشدق نے ان کے خلاف بغاوت کی تو عبدالملک نے بہ دست خود اس کو ذبح کردیا، علاوہ ازیں حضرت امام مالک بن انسؒ کے ساتھ بلا وجہ زیادتی اور بدسلوکی کرنے پر اپنے چہیتے عامل حجاج بن یوسف تک کو نہیں بخشا، بلکہ اس کو خوب پھٹکار سنائی، علاوہ ازیں حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک موقع پر صحابی رسول کی جناب میں گستاخانہ کلمات کہے جس کی شکایت حضرت انس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان سے کی تو انہوں نے حجاج بن یوسف کو سخت ڈانٹ پلاتے ہوئے لکھا کہ ”اے حجاج تمہارے معاملات بہت آگے بڑھ چکے ہیں، تم نے اس میں اتنی بڑھوتی حاصل کرلی کہ تم نے اپنے طریقہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، تم نے اپنی قدر و منزلت کی حد بھی پار کرلی ہے، یقیناً میں تم کو ویسے ہی نشانہ بناؤں گا جیسا کہ شیر لومڑی کو نشانہ بناتا ہے، میں تم کو ایسا روندوں گا کہ تم کو خواہش ہوگی کہ تم اپنی ماں کے بطن میں واپس ہوجاتے، کیا تم کو طائف میں اپنے آبا و اجداد کی یاد نہیں آتی جہاں وہ لوگ اپنی پیٹھ پر پتھر اٹھاتے تھے، اپنے ہاتھوں سے اپنی وادیوں میں کنویں کھودتے تھے؟ کیا تم اخلاق و مروت میں اپنے آبا و اجداد کی کمینگی اور حقارت کو بھول گئے؟ تم نے حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ جرأت و اقدام کیا، میرا خیال ہے کہ تم امیر المومنین کے معاملہ کا تجربہ کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم کو امیر المومنین کے اس بات سے انکار کرنے اور اس سے پہلوتہی کرنے کا علم ہے، تمہارے دل میں جو آیا وہ تم نے دکھایا، اللہ کی تم پر لعنت ہو اگر تمہارے بارے میں اور زیادہ کچھ لکھا گیا ہوتا تو تم کو سیدھے اٹھا کر انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا پھر وہ تمہارے بارے میں خود فیصلہ کرتے، اس لیے تم حضرت انس اور ان کے گھر والوں کی عزت کرو، ان کے حق اور رسول اللہؐ کے لیے ان کی خدمت کو پہچانو، ان کی ضروریات میں کسی چیز کی کمی نہ کرو، اگر امیر المومنین کو حضرت انس کے ساتھ حسن سلوک اور تکریم میں کمی کے سلسلہ میں کوئی بات معلوم ہوئی تو وہ ایسے شخص کو تمہارے پاس بھیجیں گے جو تم کو سیدھا کردے گا، تمہاری عزت کو پامال کردے گا، تمہارے

دشمن کے ذریعہ تمہارا مذاق اڑائے گا، حضرت انس سے ان کے گھر پر جا کر ملو، ان سے اپنی گستاخی کی برأت ظاہر کرو اور امیر المومنین کو مطلع کرو کہ حضرت انس تم سے خوش ہیں، والسلام۔

حجاج بن یوسف نے جب یہ خط پڑھا تو اس کا چہرہ متغیر ہونے لگا، وہ پسینہ میں شرابور ہوگیا، حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ ایک نشست میں اس نے حضرت انس سے معافی مانگی اور ان کو خوش گوار انداز میں خوش آمدید کہا، حضرت انس نے کہا کہ جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو سب سے پہلے میں نے تم کو اللہ کے حوالہ کیا اور پھر امیر المومنین کے، بہ خدا عیسائیوں کے کفر کے باوجود اگر ان کو کسی شخص کے بارے میں معلوم ہوجاتا ہے کہ اس نے حضرت عیسٰیؑ کی صرف ایک دن خدمت کی ہے تو وہ اس کے ان حقوق کی پاس داری کرتے جن کی پاس داری تم نے میرے لیے نہیں کی، جب کہ میں نے رسول اللہؐ کی خدمت پورے دس سال کی ہے، حجاج بن یوسف نے اپنی غلطی کے لیے معذرت خواہی کی اور بے حد شرمندگی کے ساتھ ان کا مال و زر ان کو واپس کر دیا۔

عبدالملک درحقیقت بڑے متحمل مزاج اور بہت بردبار واقع ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے سخت حریف حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی حضرت عروہ بن زبیر کو جو حجاج کے ساتھ سات ماہ تک برسر پیکار رہے، عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد اپنے اہل و عیال کے لیے امان طلب کرنے پر بغیر کسی تامل کے فوری پروانۂ امان دے دیا تھا۔

عبدالملک کا فلسفۂ جنگ: جنگی مہم میں عبدالملک بن مروان اپنے حریف کو ہمیشہ دو باتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیتے رہے یا تو بہ رضا و رغبت بیعت و اطاعت قبول کر لے اور مال و منصب جیسی دنیوی منفعت حاصل کرے یا پھر جبراً اطاعت قبول کرے، یقیناً پہلی صورت میں فائدے ہی فائدے تھے اور دوسری صورت میں ناکامیاں ہی ناکامیاں مقدر ہوتی تھیں، عبدالملک بن مروان اپنے دشمن کو پہلے ہر محاذ پر کمزور کرتے پھر اس پر زور و شور سے یک بارگی حملہ کر کے اس کو شکست خوردہ کر دیتے تھے۔

عبدالملک جنگ کو امن و استقرار کی ضمانت کے وسیلہ کے طور پر نہ دیکھتے تھے بلکہ ہمیشہ مابعد جنگ کے تعلقات پر ان کی نظر رہتی تھی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ فتح و کامرانی ہی کو نشانہ بناتے اس کے لیے وہ دشمن کو زخم خوردگی کے عالم میں نہ چھوڑتے بلکہ فتنہ کی سرکوبی کے لیے میدان

کارزار میں کشت و خوں ہی کو روا رکھتے، وہ اس نظریے کے قائل تھے کہ "جنگ سلامتی کا پیش خیمہ ضرور ہے مگر اس کو دوسرے ذرائع سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے"۔

چنانچہ عبدالملک بن مروان جب عراق میں مصعب بن زبیر کے معاملات سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کوفہ اور بصرہ کا دورہ کیا اور وہ مابعد جنگ تعلقات کو بحال کرنے کے لیے لوگوں کے معاملات، ان کی عملی زندگی اور ان کے زمینی احوال کو جاننے کے مقصد سے نکل پڑے، پھر عراق کے دو مرکزی شہر کوفہ اور بصرہ میں خوارج سے قتال کرنے کے لیے منصوبہ بند طریقے پر لشکر کو روانہ کیا، اسی طرح جب انہوں نے حجاز مقدس میں عبداللہ بن زبیر کے خلاف فتح حاصل کی تو گوشہ تنہائی اختیار نہ کی بلکہ بیت اللہ شریف کا حج کیا، زمینی ماحول کا جائزہ لیا، امن و سلامتی اور استحکام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور مابعد جنگ کے تعلقات کو استوار کرنے کے لیے مواقع تلاش کیے۔

عبدالملک بن مروان کو ادراک تھا کہ لوگ شمشیر و سنان کے مقابلہ میں زیتون کو زیادہ پسند کرتے ہیں، اس کو امن کا پیامبر سمجھتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ جہاد سے بیزار تھے بلکہ وہ سخت خانہ جنگی کے بعد بھی تلوار کو حکم بنانے کے قائل نہ تھے، عبدالملک نے عامۃ الناس کی نفسیات کو بہ خوبی محسوس کیا اور جنگ کے لیے تلوار لہرانے سے پہلے شاخ زیتون کو ہوا میں لہرا کر امن و آشتی کا پیام دینا شروع کیا جس کی وجہ سے انہیں ہر جگہ استحکام نصیب ہوا اور کامرانی ان کا مقدر بن گئی۔

مراجع

۱۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، دار الکتاب العربی، طبع ثانی، ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء۔

۲۔ تاریخ طبری، ذخائر العرب ۲۰، دار المعارف مصر، طبع ثانی، ۱۹۷۱ء

۳۔ تاریخ ابن خلدون، دار الکتاب اللبنانی، طبع ثالث، ۱۹۶۷ء۔

۴۔ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب، المقری، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء۔

۵۔ التاریخ الکبیر لابن عساکر، التہذیب، مطبع روضۃ الشام، ۱۳۳۲ھ۔

۶۔ التوفیقات الالہامیۃ فی مقارنۃ التواریخ الہجریۃ، الموسسۃ العربیۃ للدراسات والنشر، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۷۔ الخطط المقریزیۃ، دار صادر بیروت، طبع ثانی (آفسیٹ)۔

۸۔ العواصم من القواصم للقاضی ابی بکر بن العربی، مطبعہ سلفیہ، قاہرہ، رمضان ۱۳۷۱ھ۔

ظفرخان احسنؔ

از:- پروفیسر عبدالاحد رفیق☆

مغلوں کے عہد حکومت میں اکثر شعرائے فارسی نے ایران اور ہندوستان کی سکونت ترک کر کے مستقل طور پر کشمیر میں بودوباش اختیار کرلی، کشمیر کے قدرتی مناظر، دل کش اور دل ربا تفریح گاہیں شعرا کو دور دور کے مقامات سے کھینچ کرلاتی تھیں، شعروشاعری کے لیے جس سکون، صبر اور خاموش ماحول کی ضرورت تھی وہ سب کچھ کشمیر میں میسر تھا، ان شعرا کے کارناموں کی وجہ سے کشمیر کو ایرانِ صغیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جن شعرائے کشمیر میں اپنی زندگی کا اکثر حصہ بسر کیا ان میں ظفرخان احسن، مغل گورنر بھی شامل ہیں، جن کی صحبت میں میر الٰہی، ملا شیدا تکلو، صائب اصفہانی، ابوطالب کلیم، جان محمد قدسی، محمد قلی سلیم اور مرزا محمد طاہر آشنا رہتے تھے، ظفرخان احسن کا نام کشمیر کے فارسی شعرا میں سرفہرست ہے جو کشمیر کے علاوہ ہندوستان اور ایران تک مشہور رہا ہے۔

ظفرخان احسن کے حالات جن تذکروں میں ملتے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے:

ذخیرۃ الخوانین، تذکرۂ نصرآبادی، کلمات الشعرا، تذکرہ شعرائے متقدمین، مجمع النفائس، تاریخ اعظمی، تذکرۂ ہمیشہ بہار، تاریخ کبیر کشمیر، تاریخ حسن ج ۴، ریاض الشعرا، سروآزاد، مقالات الشعرا، صحف ابراہیم، مرأت آفتاب نما، نتائج الافکار، شمع انجمن، فرمان شاہ جہاں، کشمیر از جی ایم صوفی، مسلم رول ان کشمیر، بزم تیموریہ، تذکرہ شعرائے کشمیر، نگارستان، عمل صالح، مکمل تاریخ کشمیر، کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ اور لاہور از عبداللطیف۔

نام اور مختصر حالات: نام احسن اللہ، تخلص احسن اور ظفرخان خطاب تھا، آپ کے والد خواجہ ابوالحسن تربتی خراسان سے اکبر کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے اور شہزادہ دانیال کے

☆ امر صورہ، سری نگر، کشمیر۔

وزیر اور دکن کے دیوان مقرر ہوئے، جہاں گیر کے عہد حکومت میں پہلے میر بخشی پھر دیوان کل کے عہدے پر تعینات ہوئے، شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد خواجہ ابوالحسن بیگ تربتی کو صوبہ کشمیر کی حکومت تفویض کی گئی، مگر آپ نے اپنے فرزند مرزا احسن ظفرخان احسن کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، اس سے قبل جہاں گیر نے اعتقاد خان کو کشمیر کی حکومت سونپ دی تھی مگر اس کے دور میں کشمیری عوام کو گوناگوں مظالم اور مصائب کا شکار ہونا پڑا، دیہات اور شہر ویران ہوگئے اور اکثر لوگوں نے کشمیر سے راہ فرار اختیار کی اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں پناہ لی اور جب بادشاہ ان حالات سے آگاہ ہوگیا تو اعتقاد خان کو معزول کرنے کے احکامات صادر کیے۔

نظم و نسق اور انتظام سلطنت: جب کشمیر کی حکومت مستقل طور پر ظفرخاں احسن کو عطا ہوئی تو شاہ جہاں نے دربار میں فرمایا کہ ظفرخاں ضمانت دے کہ اہل کشمیر کو راضی کرسکے، میر عمادالدین میر الٰہی بھی دربار میں موجود تھے، فوراً عرض کیا، عمہ، خدا ضامن رسول وچہار یارش، بادشاہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوا اور ظفرخاں نے عرض کیا کہ میرے ساتھ میر الٰہی کو بھی کشمیر جانے کی اجازت دی جائے، بادشاہ نے اجازت دی اور میر الٰہی کو ظفرخاں کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔

ظفرخان احسن بے مثال شجاعت اور غیر معمولی کامیابیوں اور ظفریابیوں کے باعث نیک اطوار اور خوش باش تھا، مدبر، منظم اور خلیق آدمی تھا، طبیعت رنگین پائی تھی، قادرالکلام شاعر تھا، اس کی علم وادب اور شعروشاعری کی قدردانی اور بذل وکرم کا شہرہ سن کر ملک الشعرائے ایران محمد علی صائب بھی اس کے دربار میں حاضر ہوا تھا اور اس کی مدح سرائی کی تھی، ظفرخاں نے اس کو ایک ہزار اشرفیاں بہ طور انعام بخشی تھیں، چنانچہ صائب کہتا ہے ؎

خان خانان را بہ بزم ورزم صائب دیدہ ام
در سخاؤ در شجاعت چوں ظفرخاں تو نیست

کشمیر کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر اس نے اعتقاد خاں سابق صوبے دار کے وقت کے احکامات منسوخ کردیے اور مظالم کی فہرست تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے بعض بدعتوں اور ظلموں کی تنسیخ اور قلع قمع کرنے کا فرمان صادر کرادیا اور جس کو بادشاہ کے ایما پر عوام کی آگاہی کے لیے پتھر پر کندہ کرا کے سری نگر کی جامع مسجد کے دروازے پر نصب کرایا، یہ کتبہ

آج بھی جامع مسجد کے دروازے پر موجود ہے اور آج بھی شاہ جہاں کی رعایا پروری اور رحم دلی کا ثبوت دیتا ہے۔

جہاں گیر کے زمانہ میں تسخیر تبت کے لیے فوج کشی کی گئی تھی لیکن سوائے کشت وخوں کے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا، شاہ جہاں نے جلوس تخت نشینی کے دسویں سال ۱۶۳۴ء میں ظفر خاں کو تسخیر تبت کا فرمان بھیجا، ظفر خاں آٹھ ہزار پیادہ کی جمعیت سے ایک ماہ کے عرصے میں اسکردو پہنچا، یہاں کے مرزبانوں نے دو بلند پہاڑوں پر دو نہایت مضبوط قلعے تعمیر کروائے تھے، ظفر خاں نے جب ان قلعوں کی بلندی اور پائیداری کا حال دیکھا تو محاصرہ کا رخ بدل کر چال بازی سے کام لیا، کشمیری فوج صرف دو ماہ یہاں قیام کرسکتی تھی کیوں کہ کثرت برف باری اور شدت کی سردی کی وجہ سے راستے بند ہوجاتے ہیں، اس لیے یہاں رہنا مشکل ہوجاتا ہے مگر ان مشکلات پر ظفر خان نے اپنے تجربے اور بہادری سے قابو پالیا اور ڈٹ کر مقابلہ کرکے قلعے میں داخل ہوکر بادشاہ کے نام خطبہ پڑھایا، چوں کہ برف کی وجہ سے راہیں بند ہوجانے کا خوف تھا اس لیے ظفر خان عارضی انتظام کرکے اور قیدیوں کو ہم راہ لے کر واپس کشمیر آ گیا۔

باغ لگانے کا شوق: ظفر خاں کو عمارات اور باغ لگوانے کا بہت شوق تھا، اس نے چار باغ لگوائے، ایک سری نگر کے قریب محلہ بر بیہ داری بہ مقام زونی مر متصل جڈی بل جھیل آن چار کے کنارے پر ۱۰۴۳ھ میں تعمیر کروایا تھا، دوسرا باغ، باغ گلشن کے نام سے ۱۰۴۴ھ میں بوہری کدل تا احمدا کدل نہر کے کنارے تعمیر کروایا تھا، تیسرا باغ، باغ احسن آباد معروف بہ حسن آباد بہ مقام نایدیار لگوایا تھا، اس باغ کی پختہ عمارت کے ساتھ ایک امام باڑہ بھی تعمیر کروایا تھا جو آج بھی موجود ہے، چوتھا باغ، باغ عنایت کے نام سے زیارت سید محمد مدنیؒ کے شمال کی جانب بنوایا تھا نہر لچھ کول اس کے وسط میں بہتی تھی، اس کے علاوہ شاہ جہاں کے حکم سے ظفر خاں نے میر الٰہی شاعر کے نام بہ مقام بچھ پورہ باغ الٰہی تعمیر کروایا تھا، یہ باغ چار طبقوں پر مشتمل تھا، جہاں گیر نے اپنے دور حکومت میں نہر کو وسعت دی تھی اور اس نہر میں ایک چھوٹی سی کشتی کے ذریعہ سیر کرتا تھا اور چاندنی رات میں اس نہر کے ذریعہ نور باغ تک جاتا تھا، بچھ پورہ سے ایک اور نہر نور جہاں کول زونی مر کے راستے عید گاہ ہوتے ہوئے نور باغ کو جاتی تھی، ظفر خان باغ الٰہی کی تعریف

میں کہتا ہے ؎

فلک آشفتہ بود از بہر سائش　　ملک گفتا بگو باغ الٰہی

زدل چوں جانب صحرا نہی روی　　مگر صحرا گلستانست خود روی

بہ بینی سر بہ سر صحرا شگفتہ　　بفرش سبزہ گل مستانہ خفتہ

یکے از باغہا باغ الٰہی است　　کہ رضواں راز رشکش چہرہ کاہی است

دران گلشن یکے کہنہ چنار است　　ز نخل طور گوی یادگار است

ایک اور شاعر نے باغ الٰہی کی تعریف میں کہا ہے ؎

گریبان می کشد خواہی نہ خواہی　　بسوی خود مرا باغ الٰہی!

یہ باغ ظفر خان کی نگرانی میں ۱۰۵۰ھ میں مکمل ہوا تھا۔

ان باغات کے علاوہ ظفر خان نے دیگر مغل باغات کی تجدید وتعمیر میں کافی دل چسپی لی تھی، ان باغات میں دور دراز ممالک سے پھول اور میوہ دار درخت منگوا کر لگوائے تھے، زنبق، گلاب، گیلاس اور کئی قسم کے انگور اسی کے عہد میں کشمیر آئے۔

ظفر خاں احسن نے کشمیر میں عوام کی خوش حالی اور فارغ البالی کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور عوام کی سہولت کے لیے ہر قسم کا سامان فراہم کردیا تھا، وہ رات کے وقت عوام کے حالات معلوم کرنے کے لیے شہر کا گشت بھیس بدل کر لگاتا تھا، اس طرح اس کے دور میں امن وامان اور خوش حالی قائم ہوئی تھی، ظفر خاں دو دفعہ کشمیر کا گورنر مقرر ہوا تھا، پہلی مرتبہ ۱۶۳۳ء سے ۱۶۴۰ء تک اور دوسری مرتبہ ۱۶۷۳ء میں۔

ظفر خاں نے شاہ جہاں کے حکم سے باغ فیض بخش کے ساتھ ہی ایک اور باغ کی بنیاد ڈالی اور اس میں چنار، سرو اور دوسرے اقسام کے درخت، پھول اور طرح طرح کے میوے دار درخت لگانے کا بندوبست کیا گیا، باغ کے وسط میں شاہ نہر بہتی تھی جس کی مدد سے باغ کے تمام فوارے چھوٹتے رہتے تھے، شام کو اس باغ میں چراغاں کیا جاتا تھا، چنانچہ بادشاہ نے خود اس چراغاں کا لطف اٹھایا تھا، فواروں کے ساتھ ساتھ چراغوں کی روشنی ایک دل فریب سماں پیدا کرتی تھی، اس موقع پر ظفر خان نے ایک مثنوی کشمیر کی تعریف میں پیش کی جس سے ظفر خاں احسن کی

شاعرانہ ہنرمندی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

کشمیر میں شاہ جہاں کی تیسری بار آمد: شاہ جہاں نے کشمیر کا سفر چار بار کیا تھا، تیسری بار جب ۱۶۴۲ء میں وہ کشمیر آیا تو یہاں انیسواں جشن تخت نشینی منایا، شعرا نے قصائد پیش کیے، بادشاہ نے شعرا کو زر و جواہرات اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا، رعایا کو بہت سی رعایتیں دیں، ایک کشمیری الاصل شاعر ملا ندیم نے بھی ایک قصیدہ پڑھا، یہ قصیدہ نہایت ہی پُرمعنی اور لاجواب ہے، اس میں صرف تعریف ہی تعریف نہیں بلکہ رعایا کے دکھڑوں اور مصائب کا بھی ذکر ہے کہ اہل کشمیر کو مغل دور میں کن کن مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا ؎

چیست آں کس بستن و آویختن فرمود شاہ	شاہ کیخسرو سریر و خسرو خاقان کلاہ
سرورا دانش پژوہا داورا دیں پرورا	اہل کشمیر اند در دیوان عدالت دادخواہ
راند انصافت کہ جمع را پریشاں دل کہ کرد	آں کہ ہست احسان او جور و ثواب گناہ
عدلت آگاہ است کایں انبوہ را برہم کہ زد	آں کہ نغما را کشادہ در کرم را بستہ راہ
آں ستم کیشے کہ کاہی را عوض گرفتہ کوہ	آں جفا جوئے کہ کوہے را بدل نادادہ کاہ
عجز ایں قوم از رقوم خامہ برخواہ خسرو	حال ایں جمع از شکنج نامہ دریا بد نگاہ
عدل فرما کہ ایں قوم از بلا گردد خلاص	دورا بر کو کہ ایں جمع از الم یابد بہ جاہ

شاہ جہاں نے ظفر خاں کو کشمیریوں کی دل جوئی اور ہم دردی کی تاکید کی اور برف و باراں کی تکلیفیں اٹھاتا ہوا لاہور پہنچ گیا، ظفر خاں نے اپنی ایک مثنوی ہفت منزل بادشاہ کی نذر کی جس میں کشمیر کے مناظر فطرت کی تعریف تھی۔

ایک عجیب واقعہ: ۱۰۵۵ھ میں کشمیر میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا، موضع بدرو واقع پرگنہ آڑون میں آسمان سے جب کہ مطلع صاف تھا، برف کی ایک مستطیل چادر گری جس کا طول ستر گز اور عرض تیس گز تھا اور ضخامت ۷ ۱/۲ گز تھی جس کی شہادت اور صداقت مرزا علی سلیم کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے ؎

در سال ہزار و پنجاہ و پنج اے یار	در گوشہ کاشمر ہنگام بہار
ہفتاد گزش طول بہ سی گز عرضش	نختہ برفے افتاد بہ تشکیل بہار

شاہ جہاں نے اس سیاحت میں چشمہ ویری ناگ کی مرمت کا حکم دے دیا اور چشمہ کے منبع پر ایک آبشار بنوائی جس کے ایک پتھر پر تاریخ آج تک کندہ ہے۔

حیدر بہ حکم شاہ جہاں بادشاہ دہر	شکر خدا کہ ساخت چنیں آبشار و جوی
ایں جوی دادہ است ز جوی بہشت یاد	زیں آبشار یافتہ کشمیر آبرو
تاریخ جوی گفت بگوشم سروش غیب	از چشمہ بہشت بروں آمدہ است جو

شاہ جہاں کی چوتھی بار آمد: اس کے دور میں جب شاہ جہاں چوتھی بار کشمیر آیا اور ۱۲/ ربیع الاول کو محفل میلاد دولت خانہ خاص پر منعقد کی تو کشمیر کے علما، فضلا، خطاط اور نعت خوانوں کو خلعت فاخرہ سے نوازا گیا، بعض علما اور شعرا کے وظائف بھی مقرر ہوئے اور بعض امرا کو جاگیریں عطا کی گئیں اور اہل کشمیر کو بڑی بڑی دعوتیں کھلائی گئیں اور کھلی کچہری منعقد کر کے مظلوموں کی فریاد کی دادرسی کی گئی اور ظالم افسروں کو اپنے عہدوں سے ہٹایا گیا، بادشاہ ہر صبح و شام یہاں کے لالہ دریا چیں، اشجار سراپا بہار، اثمار رنگین، انہار و چشمہائے شیریں سے مشام جاں کو معطر کراتا رہا۔

شاعری میں بلند پایگی اور ناقدانہ ذوق: ظفر خان نہ صرف بلند پایہ شاعر ہی تھا بلکہ اعلا درجہ کی صلاحیت رکھنے والا ناقد بھی تھا، وہ مرزا صائب سے مشورۂ سخن کیا کرتا تھا، رفتہ رفتہ اس کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ خود مرزا صائب اس کی سخن دانی اور سخن رانی کا مداح اور قائل ہو گیا، جب ظفر کے صائب کے کلام پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا تو خود اس کی داد صائب یوں دیتا رہتا تھا ؎

دو چیز قدر شعر بشکند صائب	سکوت سخن شناس و قدر ناشناس

ظفر خان اس رتبہ کا شخص تھا کہ کلیم اور صائب دونوں کو اس کی استادی اور مربی گری کا اعتراف ہے، صائب ایک مدت تک اس کے دربار میں رہا اور اس کی بہ دولت شاعری میں ترقی کی، ظفر خاں اس کے کلام میں موقعہ بہ موقعہ دخل اور تصرف کرتا تھا، صائب نے اپنے دیوان کی ترتیب بھی اسی کے مشورے سے دی تھی، چنانچہ صائب نے ان باتوں کا اعتراف احسان مندی کے ساتھ کیا ہے ؎

تو جان ز دخل بجا مصرع مرادادی	تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم
چہ زلف سنبل ابیات من پریشاں بود	نہ داشت طرۂ شیرازہ دے دیوانم

تو غنچہ ساختی اوراق باد بردۂ من   وگرنہ خارہا تے ماند از گلستانم

صاحب مآثر الامرا فرماتے ہیں کہ ظفر خان ایرانیوں کو بہ کثرت روپے دیتا تھا، خصوصاً شعرا کے ساتھ خوب بذل وکرم کرتا جو اس کے ہم مسلک ہوتے تھے، صاحب استعداد شعرا اپنے وطن سے دل برداشتہ ہو کر اس کی بارگاہ میں پہنچے، وہ حسن احسانات کی توقعات کے ساتھ آتے جو پوری ہوتی تھیں۔

ظفر خان کے ذوق شاعری کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ اس نے اپنے عہد کے تمام شعرا مثلاً کلیم، قدسی، غنی، سالک یزدی، سالک قزوینی، صائب، دانش وغیرہ کے کلام کو ایک بیاض کی صورت میں ہر ایک شاعر کے دست خاص سے لکھوایا تھا اور ہر ایک کی تصویر اس کے ساتھ منسلک کرائی تھی، بہ قول شبلی اگر آج یہ مرقعہ ہاتھ آتا تو لاکھوں روپے کو ارزاں تھا، وہ خود بھی صاحب دیوان شاعر تھا۔

کشمیر میں فارسی شعر وادب کو ترقی دینے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا، کیوں کہ اس زمانے میں شاعری کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مشاعروں کا رواج قائم ہوا، اس سے پہلے شعرا بہ طور طرح اساتذہ کی غزلوں پر غزلیں لکھتے تھے لیکن اب یہ طریقہ قائم ہوا کہ کسی امیر کے مکان پر شعرا جمع ہوتے تھے اور ان کو طرح مصرعہ پر غزلیں لکھنے کو کہا جاتا تھا، کبھی کبھی محفل شعر میں نوک جھونک اور چوٹیں ہوتی رہتی تھیں، تنقید بھی ہوتی تھی۔

خصوصیات کلام: ظفر خاں احسن کے کلام میں چند خصوصیات نمایاں طور پر ملتی ہیں، خیال بندی اور مضمون آفرینی جا بجا نظر آتی ہے، کہیں کہیں فلسفہ کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے، مثالیہ ان کا من پسند اسلوب ہے، ان کی غزلوں میں عشق وعاشقی کے جذبات موثر الفاظ میں ادا ہوتے ہیں، استعارات کی جدت اور نزاکت کلام ان کا عام انداز ہے، وہ الفاظ کی نئی تراش اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا کرتے ہیں۔

اگرچہ ظفر خاں کے ہاں وہ لطیف خیالات اور عشق ومحبت کے اسرار ورموز نہیں پائے جاتے ہیں جو عرفی اور نظیری کے ہاں بہ کثرت پائے جاتے ہیں، تاہم زبان کی صفائی، سلاست، روانی اور تراکیب کی بندش اور محاورات کا استعمال ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ؎

دلم بکوے تو امید دار می آید   نگاہ دار کہ روزے بکار می آید

درگوشہ میخانہ ہمیں گفت وشنید است   بیاراں بہ رسانید وداع شب عید است

دربستان ہندچوں اودلبر خود کام نیست   رام رامم گرچہ می گوید ولیکن رام نیست

کشمیر کی تعریف وتوصیف میں ظفر خاں نے بہت کچھ کہا ہے ؎

الٰہی تا بود کشمیر آباد   ز گلزار خراسانم مدہ یاد

بہر کس ہر چہ خواہد بے سخن دہ   مرا کشمیر بلبل را چمن دہ

ظفر خاں احسن کو دوسری مرتبہ جب کشمیر سے لاہور تبدیل کیا گیا تو کلیم نے یہ غزل لکھی جو جذبہ اور شدت سوز کی وجہ سے غزل نہیں بلکہ ایک دردانگیز مرثیہ معلوم ہوتا ہے ؎

شکوۂ درد ترا کے پیش درماں می کنیم   تشنہ می میریم وشکر آب حیواں می کنیم

بے تو تاریکست کشمیر ای چراغ دیدہ ہا   ماسیہ روزیم در شب سیر بستاں می کنیم

گل اگر تا سینہ در کشمیر می آید چہ سود   تاکہ گل از اشک خونین در گریباں می کنیم

در کمین عیش از بس دیدۂ بد وزندہ ایم   بادہ را از چشم ساغر نیز پنہاں می کنیم

از ظفر خاں بود ایں جمعیت وطرح غزل   باکہ دیگر زلف معنی را پریشاں می کنیم

ماجرائی دیدۂ میگویم پیش سیل اشک   الٰہی بیں! شکوۂ کشتی بہ طوفاں می کنیم

تاتو رفتی، دل بہ فکر خویش افتادہ است   سرچو می بازیم آں گہ فکر ساماں می کنیم

بادۂ کشمیر از بزم تو صاحب نشہ بود   بے تو ما خاطر نشاں می پرستاں می کنیم

داغ می ماند کلیم از لالہ زار از دست رفت   ہر چہ دشوار است بر خویش آساں می کنیم

شاہ جہاں نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلیم نے بہت سے اشعار میں ظفر خاں کی تعریف کی ہے ؎

ظفر خاں ز فتح وظفر شادماں   بہ کشمیر ازاں مملکت شد رواں

ظفر خاں کا باپ سنی مسلک کا حامی تھا لیکن ظفر خاں امامیہ مسلک پر چلتا تھا اس لیے دونوں کے تعلقات کشیدہ تھے، شیعہ مسلک کے شعرا کو زیادہ انعام دیتا تھا، اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ ظفر خاں اور شیخ محسن فانی کے درمیان زبردست جھگڑا ہوا تھا، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان

دنوں کشمیر میں ایک حسین وجمیل رقاصہ کا شہرہ تھا اور وہ شیخ محسن فانی کی محبوبہ تھی، اس کا نام نچی تھا، ظفر خاں احسن نے بھی اس رقاصہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہا اور نقد وجنس کی صورت میں بہت کچھ اس رقاصہ کو پیش کیا مگر وہ ظفر خاں کی طرف مائل نہ ہوئی، ظفر خاں اس پر سخت ناراض ہوا اور شیخ محسن فانی اور نچی دونوں کی ہجو کی ؎

خفتہ را بیدار سازد یاد دامانِ نچی — مردہ را در جنبش آرد بوی انبان نچی
لستۂ حیض نچی شد شملہ و دستار شیخ — رشتہ تسبیح او شد نبد تبسان نچی

مگر فانی خاموش رہا اور کوئی جواب نہ لکھا بلکہ جب دوسری بار ظفر خان کشمیر کا گورنر بنا تو فانی نے ایک غزل میں اس کی تعریف کی ہے ؎

وزید باد بہار و نوید یار آمد — بیار بادہ کہ یار آمد بہار آمد
بدشت لالہ شگفت و بباغ سبزہ دمید — نہال شیشہ و ساغر ببرگ و بار آمد
چو روی یار ببنی لب پیالہ ببوس — کہ فصل توبہ شکن وصل آنِ نگار آمد
بہار گلشن کشمیر باز رنگین شد — کہ ابر فیض ظفر خان کامگار آمد
چرا بباغ ننالد صنوبر و شمشاد — کہ آب رفتہ در آغوش جو بہار آمد
ہزار شکر کہ در چار باغ دولت و شکر — دربارہ نخل تمنائی ما ببار آمد
درایں بہار ز تائید بخت فانی را — عروس دولت و اقبال در کنار آید

فانی جب الہ آباد میں قاضی کے عہدے پر کام کرتا تھا اس وقت بھی ظفر خان کی یاد اس کو بار بار آتی ہے ؎

گو ظفر خان داغ شو امشب کہ فانی ایں غزل
در الہ آباد پیش قدردانی گفتہ است

ظفر خان کے دور حکومت میں کشمیر میں شیعہ سنی جھگڑا خطرناک صورت اختیار کر گیا، قاضی شہر کو مداخلت کرنی پڑی، بادشاہ نے ظفر خان کو واپس بلایا اور اس کی جگہ شاہزادہ مراد بخش گورنر مقرر ہوا اور ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی اور لاہور میں دفن کیا گیا۔

ظفر خاں کی منظوم تصانیف: ظفر خان کا کلام ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے، اس کی منظوم

تصانیف کی مختصر کیفیت ذیل میں درج ہے:

۱- مثنویات: مثنوی کا ایک نسخہ خوش خط کتب خانہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں موجود ہے، مثنوی کا یہ نسخہ پہلے خود ظفر خان کے پاس تھا، پھر ان کے بیٹے کے ہاتھوں میں بھی رہا ہے، اس پر ۱۰۷۳ھ کی تاریخ درج ہے اور لاہور میں لکھا گیا ہے، اس نسخہ پر چند شعرا کی تصویریں بھی ہیں، یہ تصویریں بشن داس نے بنائی ہیں۔

۲- بیاض الشعرا: نادر و نایاب، بہ قول مصنف کلمات الشعرا اس کا ایک صفحہ شاہ جہاں کے پاس دیکھا گیا تھا جس پر کلیم کاشانی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

۳- کلیات: یہ خود ظفر خاں احسن کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور بانکی پور کے کتب خانے میں زیر نمبر ۳۲۹ موجود ہے اور ۱۰۵۳ھ میں ترتیب دیا گیا ہے، کلیات کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ کلیات ترتیب دیا گیا تھا اسی سال ظفر خاں کا بیٹا عنایت خاں آشنا تولد ہوا تھا، طالب کلیم نے اس کی تاریخ لکھی تھی ؏

گلہا کہ چہ از چمن طبع داشتہ شکر

اس سے پہلے ایک اور دیوان ترتیب دیا تھا، وہ بھی اس کلیات کے ساتھ شامل ہے۔

۴- ساقی نامہ: ترجیع بند (ص ۱۲ تا ۱۶) اس ساقی نامہ کے ورق ۱۷ تا ۱۵۰ پر غزلیں درج ہیں، اس میں پندرہ رباعیات بھی درج ہیں، مطلع یہ ہے:

چو گردد شرمساری در قیامت عذر خواہ ما
بہ سوزد خرمن عصیان خلق از برق آہ ما

مثنوی جلوہ ناز (ص ۱۹۵ تا ۱۹۸)، مثنوی میخانہ راز (ص ۱۹۸ تا ۲۲۸) ؎

بہ شش ماہ ایں نسخہ منظوم گشت — بہ میخانہ راز موسوم گشت

۵- کلیات: کا ایک اور نسخہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

۶- دیوان: دیوان ظفر خاں احسن کا ایک نسخہ کشمیر یونی ورسٹی ریسرچ اورینٹل لائبریری میں موجود ہے، یہ نسخہ نامکمل ہے۔

دیوان کا ایک اور نسخہ انڈیا آفس میں بھی موجود ہے۔

ظفر خاں احسن کے ساتھ کشمیر میں مندرجہ ذیل شعرا وابستہ تھے:

۱- نادم گیلانی، شہسوار بیگ شاگرد نظیری (متوفی ۱۱۰۰ھ)۔ ۲- رونقی ہمدانی (متوفی ۱۰۳۱ھ)۔ ۳- صوفی ہمدانی۔ ۴- وارستہ (متوفی ۱۰۷۵ھ)۔ ۵- ملا رفعتی، میرزا ابراہیم تبریزی (مدفن کشمیر)۔ ۶- میر الٰہی ہمدانی، عماد الدین محمود (متوفی ۱۰۶۳ھ، مدفن کشمیر)۔ ۷- ملا طاہر غنی کشمیری (متوفی ۱۰۷۹ھ، مدفن راجوری کدل، سری نگر)۔ ۸- طالب کلیم (متوفی ۱۰۶۱ھ، مدفن مزار شعرا، سری نگر)۔ ۹- طالب آملی (متوفی ۱۰۳۶ھ)۔ ۱۰- صائب اصفہانی (متوفی ۱۰۸۰ھ، مدفن اصفہان)۔ ۱۱- محمد قلی سلیم (متوفی ۱۰۵۷ھ، مدفن مزار شعرا، سری نگر)۔ ۱۲- محمد جان قدسی (متوفی ۱۰۵۶ھ، مدفن مزار شعرا، سری نگر)۔ ۱۳- محمد مقیم جوہری۔ ۱۴- رضی دانش (متوفی ۱۰۶۵ھ)۔ ۱۵- سالک یزدی، ملا سالک، وفات وردکن۔ ۱۶- سالک قزوینی، محمد ابراہیم بیگ۔ ۱۷- میر محمد باقر علوی۔ ۱۸- حکیم ضیاء الدین یوسف مخاطب بہ رحمت خاں۔ ۱۹- رکن الدین مسعود۔ ۲۰- مولانا حیدر محمد خصالی خطاط۔ ۲۱- قاضی محمد قاسم۔ ۲۲- میرزا محمد قزوینی۔ ۲۳- ملا علی رضا حسینی۔ ۲۴- سیدائی زرگر۔ ۲۵- ملا حسین آشوب (متوفی ۱۰۹۹ھ)۔ ۲۶- بشن داس مصور۔

مآخذ

(۱) ذخیرۃ الخوانین (۲) تذکرہ نصرآبادی (۳) کلمات الشعرا
(۴) تذکرہ شعرائے متقدمین (۵) تاریخ اعظمی (۶) تذکرہ ہمیشہ بہار
(۷) تاریخ کبیر کشمیر (۸) تاریخ حسن، ج ۴ (۹) مآثر الامرا
(۱۰) ریاض الشعرا (۱۱) مجمع النفائس (۱۲) سرو آزاد
(۱۳) مقالات الشعرا (۱۴) صحف ابراہیم (۱۵) مرأت آفتاب نما
(۱۶) نتائج الافکار (۱۷) شمع انجمن (۱۸) فرمان شاہ جہاں
(۱۹) کشمیر از ڈاکٹر صوفی (۲۰) مسلم رول ان کشمیر (۲۱) بزم تیموریہ
(۲۲) شاہ جہاں نامہ (۲۳) نگارستان کشمیر (۲۴) تذکرہ شعرائے کشمیر راشدی ج ۱ و ۳
(۲۵) عمل صالح (۲۶) مکمل تاریخ کشمیر از فوق، ج ۲ (۲۷) شعر العجم از شبلی، ج ۳
(۲۸) کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ (۲۹) لاہور از لطیف

☆☆☆☆☆

ایران سوسائٹی کا مجلہ انڈو ایرانیکا

بنگال میں فارسی صحافت کا ایک سنگِ میل

از:- ڈاکٹر محمد منصور عالم☆

کسی بھی زبان کی ترقی، توسیع اور تشہیر میں تعلیمی اداروں اور اس زبان کے شعرا و ادبا کا خاص حصہ ہوتا ہے لیکن علمی و ادبی انجمنوں کی طرف سے شائع ہونے والے رسالوں اور مجلوں کا کردار بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہوتا، اگر ایماندارانہ طور پر جائزہ لیا جائے تو پتا چلے گا کہ تعلیمی درس گاہوں میں صرف درس و تدریس کا سلسلہ رہتا ہے، اساتذہ کرام صرف ایک مقرر نصاب کے تحت طلبا کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں جن سے صرف طلبا ہی مستفید ہوتے ہیں، عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملتا، جب کہ اس کے برعکس انجمنوں کا دائرۂ عمل وسیع تر ہوتا ہے، یہ درس و تدریس کے علاوہ زبان و ادب کی اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں، ان کی نگرانی میں شائع ہونے والے جرائد و رسائل کی کوئی حد نہیں ہوتی، زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور اس کی تشہیر میں رسائل و جرائد نے کافی اہم رول انجام دیے ہیں۔

آزادی کے بعد فارسی زبان و ادب کی جو ناگفتہ بہ حالت ہوئی ہے وہ ارباب علم و ہنر سے پوشیدہ نہیں، یہ زبان نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے باوجود تنزل کا شکار ہو کر تعلیمی درس گاہوں تک سمٹ کر رہ گئی ہے، زبان کی بقا اور ترقی و ترویج کے لیے حکومت کی سرپرستی کے ساتھ اس کے بولنے، چاہنے اور سمجھنے والے اور اس سے عقیدت رکھنے والے یکساں طور پر شریک ہوتے ہیں، بدقسمتی تو یہ ہے کہ فارسی زبان و ادب کو نہ تو حکومت کی مناسب سرپرستی میسر ہے اور نہ ہی اس کا رشتہ معاشرے سے جڑا ہوا ہے، ایسی صورت میں اپنی اس میراث کو بچانے اور اس

☆ممبر پبلک سروس کمیشن، مغربی بنگال، ۱۶۱-ایس، پی مکرجی روڈ، کولکاتا، ۷۰۰۰۲۶۔

کی ساکھ کو بحال کرنے میں انجمنیں تگ ودو میں لگی ہوئی ہیں ، یوں تو ہندوستان میں فارسی انجمنوں کی کمی نہیں بلکہ ہر سال کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی انجمن کا قیام عمل میں آتا رہتا ہے لیکن ایسی انجمنیں بہت جلد گم نامی میں چلی جاتی ہیں جن کے پاس نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی وسائل، لہٰذا موسسان انجمن اپنی اپنی دکان چمکا کر خود مستفید ہو کر اس طرح غائب ہو جاتے ہیں کہ اس انجمن کا جنازہ بھی اٹھانے نہیں آتے ، ایسی حالت میں پورے ہندوستان میں دو انجمنیں ہی ایسی رہ گئی ہیں جو اعلا مقصد کے تحت نہایت ایمان داری اور تن دہی سے فارسی زبان وادب کی خدمت میں لگی ہوئی ہے، ایک ایران سوسائٹی کولکاتا اور دوسری انجمن استادانِ فارسی ہند دہلی، اول الذکر ۶۲ رسالوں سے اور آخر الذکر ۲۵ رسالوں سے اس زبان کو بادِ مخالف سے بچانے اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں ہے، انجمن استادان فارسی کی نگرانی میں مجلّہ ''بیاض'' (سہ ماہی) شائع ہوتا ہے جب کہ ایران سوسائٹی کا ترجمان سہ ماہی ''انڈو ایرانیکا'' ہے جو ذولسانی ہے یعنی فارسی اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے، اس مختصر سے مضمون میں ''انڈو ایرانیکا'' کی علمی وادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ (انڈو ایرانیکا کی تفصیلی خدمات کے لیے میری کتاب ''ایران سوسائٹی کی علمی و ادبی خدمات'' کی اشاعت کا انتظار کریں)

انڈو ایرانیکا کی ابتدا: ذولسانی مجلّہ انڈو ایرانیکا ایران سوسائٹی کا علمی وادبی، تحقیقی اور ثقافتی سہ ماہی مجلّہ ہے، جس نے اپنی اشاعت کے چند سالوں کے اندر ہی عالمی شہرت اختیار کر لی، اس کی اشاعت ایران سوسائٹی کے قیام (۱۹۴۴) کے دو سال بعد یعنی ۱۹۴۶ء میں شروع ہوئی، یہ وہ دور تھا جب آزادی کی جد و جہد نہایت شد و مد کے ساتھ جاری تھی اور بھڑکتا ہے چراغ صبح کے مصداق برطانوی حکومت بھی پوری قوت کے ساتھ ہندوستان میں اپنی بقا کی آخری جنگ لڑ رہی تھی، ایسے افراتفری کے ماحول میں کسی سوسائٹی کا قیام اور کسی بڑے مجلّے کی اشاعت کا خیال ایک خواب سے کم نہ تھا لیکن آفرین ہے ڈاکٹر محمد اسحاق کو جنہوں نے اس غیر یقینی دور میں اپنے اس خواب کو حقیقت میں بدل دیا اور یکے بعد دیگرے سوسائٹی کے قیام اور اس کے مجلّے کی اشاعت کا انتظام کر دیا، سوسائٹی کے بنیادی مقاصد میں فارسی زبان وادب کی ترقی اور ہند و ایران کے درمیان روابط شامل تھے، ان ہی مقاصد کی تکمیل سے وہ خاص روایت قائم ہوئی جس کی بنیاد مشرقی علوم

سے گہری وابستگی، فارسی زبان وادب سے واقفیت اور ہند و ایران کے درمیان روابط میں استحکام کی کوشش کا احساس جو سوسائٹی کی سرگرمیوں میں ہمیشہ روح کی طرح موجود رہا اور ہر تغیر کے باوجود اس کو قائم رکھنے میں ممد ہوتا رہا، اسی مشن کی تکمیل اور اس کی تشہیر کے لیے ڈاکٹر محمد اسحاق نے مجلّہ انڈو ایرانیکا کو ایران سوسائٹی کا ترجمان بنایا، سوسائٹی کے قیام کے بعد ان کا یہ دوسرا سب سے بڑا کارنامہ ہے، اس نیک کام میں ان کے برادر بزرگ مرحوم عبدالحلیم اور ڈاکٹر بی سی لاء نے ان کی سرپرستی فرمائی، انہوں نے نہ صرف مالی و اخلاقی تعاون دیا بلکہ جب تک بہ قید حیات رہے، اس کی سرپرستی فرماتے رہے۔

انڈو ایرانیکا کا پہلا شمارہ مدیر اعلا ڈاکٹر بی سی لاء اور ناظم مدیر ڈاکٹر محمد اسحاق کی ادارت میں نہایت طمطراق کے ساتھ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا، مجلس ادارت میں دوسرے اراکین جیسے سنتی کمار چٹرجی، پروفیسر بروا، مہدی حسین، مینورسکی، پروفیسر محمد نظام الدین، تارا پوروالا جیسی شخصیتیں شامل تھی، پہلے شمارے سے ہی اس مجلّے نے اپنے اغراض و مقاصد کا تعین کر لیا تھا اور اس کے لیے ڈاکٹر محمد اسحاق نے جو راہ متعین کی تھی، اس پر بڑے اعتماد سے آگے بڑھتا رہا، اپنے پہلے شمارے میں ادارہ نے اس کی اشاعت کا مقصد واضح کر دیا تھا:

"The Indo-Iranica is to afford fair opportunities for the publication of the ripe fruits of scholarly labbours and anti quirian research without any bais or prejudice."

ڈاکٹر محمد اسحاق نے اپنے دور ادارت میں ''انڈو ایرانیکا'' کے معیار کو اتنا بلند کیا کہ اس کے قارئین دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جانے لگے، اس کے شمارے جرمنی، انگلینڈ، فرانس، روس اور ایران کی بڑی بڑی لائبریریوں میں پہنچنے لگے، دانش وران اس میں اپنے مقالے کی اشاعت کو باعث فخر سمجھتے تھے، اس طرح یہ رسالہ دن بہ دن ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا، ڈاکٹر اسحاق نے انڈو ایرانیکا کے کئی شاہکار نمبر بھی شائع کیے، جس کی پذیرائی دنیا کے کونے کونے میں ہوئی لیکن اچانک ۱۹۷۹ء میں فارسی زبان وادب کا یہ پاسبان اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور

انجمن اور رسالے کی ساری ذمہ داری خواجہ محمد یوسف اور مجید صاحب کے کندھوں پر آگئی، جسے ان دونوں نے بہ خوبی نبھایا، تقریباً بیس برسوں تک انڈو ایرانیکا کی ادارت کی ذمہ داری جسٹس خواجہ محمد یوسف کے سر رہی، خواجہ صاحب کی بے پناہ مشغولیت کے پیش نظر مجلّے کی ادارت مجید صاحب کو سونپ دی گئی، جنہوں نے اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ادبی شعور کی پختگی اور روشن خیالی سے اس مجلّے کو شہرۂ آفاق بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

بیسویں صدی میں فارسی کے چند گراں قدر اور منفرد رسالوں میں ایران سوسائٹی کے اس مجلّے کا نام سرفہرست ہے، یوں تو ہند و پاک کے فارسی رسالوں میں "انڈو ایران"، "ایران لیگ"، "بیاض"، "دانش" اور "عبارت" جیسے رسالے شائع ہوئے لیکن جن میں زیادہ تر ایک مخصوص مدت تک اپنی روشنی بکھیر کر دنیائے ادب سے غائب ہوگئے لیکن ادب و تحقیق کی جو جوت ڈاکٹر محمد اسحاق نے اس رسالے کے ذریعہ جلائی تھی، وہ آج بھی فروزاں اور تاب ناک ہے اور اپنی منزل کے جانب نہایت کامیابی کے ساتھ رواں دواں ہے۔

"انڈو ایرانیکا" کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ رہی کہ اس کی مجلس ادارت میں انگریزی، فارسی، سنسکرت، عربی، لسانیات، عمرانیات اور تاریخ کے اعلا پائے کے ادیب، شاعر، ماہر لسانیات اور مورخ شامل رہے ہیں، اس کے ۶۲ سالہ علمی و ادبی سفر میں جو لوگ اس کے کارواں میں شریک رہے، انہوں نے اپنی علمیت اور قابلیت سے اس رسالے کو بین الاقوامی شہرت کا حامل بنادیا ہے، اس طویل مدت کے مختلف وقفوں میں بلا امتیاز مذہب و ملت، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی مدیران کی ادارت میں مجلّہ شائع ہوتا رہا ہے، مدیر اعلا میں ڈاکٹر بی سی لاء، فرینڈی کورٹیس، کالی داس ناگ، ڈاکٹر این ویا، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر جگدیش نارائن اور ڈاکٹر پی سی چندر جیسی شخصیتیں شامل رہی ہیں، مجالس ادارت وقتاً فوقتاً جن درخشندہ ستاروں سے سجتی رہی ہیں، ان میں مینورسکی، پروفیسر محمد اقبال، تاراپوروالا، سید حسن برنی، پروفیسر ہادی حسن، آقا محیط طباطبائی، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ڈاکٹر علی اصغر حکمت، ڈاکٹر تاراچند، ڈاکٹر کے۔جی سیّدین، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر رچارڈ این فرائی، مولانا سید صباح الدین عبدالرحمان، پروفیسر مجتبیٰ مینوی، پرویز ناتل خانلری، حبیب یغمائی، ڈاکٹر زرین کوب، پروفیسر سید حسن عسکری، ڈاکٹر خلیق احمد نظامی، پروفیسر

امیر حسن عابدی، ڈاکٹر نور الحسن، پروفیسر عبدالودود اظہر، ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی، پروفیسر براؤن، عطا کریم برق، جسٹس خواجہ محمد یوسف، جے ایس فرید، علامہ شبلی اور مولانا معصومی جیسی برگزیدہ ہستیاں شامل رہی ہیں۔

انڈو ایرانیکا کی مقبولیت، معیار اور کامیابی پر جب نظر جاتی ہے تو اس کے بنیادی اسباب کا اندازہ ہوتا ہے یعنی قابل ترین اور تجربہ کار لوگوں کی قلمی شمولیت اس کو جن حضرت کا قلمی تعاون حاصل رہا ہے، ان میں ڈاکٹر بی سی لاء، امیر حسن عابدی، پروفیسر نذیر احمد، سعید احمد اکبرآبادی، پروفیسر عبدالودود اظہر، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی، پروفیسر ہادی، پروفیسر ہادی حسن، ہمایوں کبیر، خلیق احمد نظامی، محمد قمر الدین، جگدیش نارائن سرکار، رابندر ناتھ ٹیگور، سید صباح الدین عبدالرحمان، ہیرالال چوپڑا، اسلوب احمد انصاری جیسے نام ور دانش وران شامل رہے ہیں، یہ حضرات انڈو ایرانیکا کی مقبولیت کی ضمانت رہے ہیں۔

ایرانی دانش وروں میں جن ادیبوں اور شاعروں نے اس رسالے کے فارسی سیکشن کو اپنے گراں قدر مقالوں اور عمدہ منظومات سے مزین کیا ہے، ان میں ذبیح اللہ صفا، سعید نفیسی، ایرج افشار، ملک الشعرا بہار محمد کامکار پارسی، مقدم علوی، اصغر علی حکمت، عبدالعظیم قریب، محیط طباطبائی، حبیب یغمائی، ناتل خانلری اور علی محمد موذنی جیسی نابغۂ روزگار شخصیتیں شامل رہی ہیں۔

اس سے قبل کہ انڈو ایرانیکا کی علمی، ادبی، ثقافتی اور لسانی خدمات کا جائزہ لیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند ارباب علم و ہنر کے آرا پیش کردیے جائیں، وزیر تعلیم ہند مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے بعد ہمایوں کبیر اس رسالے کے اتنے مداح تھے کہ انہوں نے اپنے دور وزارت میں اس کی بھرپور مالی اعانت فرمائی، ان کے علاوہ وزیر اعظم جواہر لال نہرو اور سر تیج بہادر سپرو، مختلف ریاستوں کے گورنر حضرات نے بھی اس رسالے کی سرپرستی فرمائی۔

ایرانیوں کی نظر میں اس مجلّے کی اہمیت کا اندازہ ان کے خیالات سے لگایا جاسکتا ہے۔ شہنشاہ ایران کے زمانے میں ایران کلچرل ہاؤس کے کاؤنسلر محیط طباطبائی جو ایران سوسائٹی کے اہم رکن بھی رہ چکے ہیں، فرماتے ہیں:

"مجلّہ انڈو ایرانیکا چند سال است در ایں راہ بذل خدمت کردہ است

ودر نتیجہ مساعی خستگی ناپذیر استاد فاضل دکتر محمد اسحاق راہ حل راپیمودہ است......

مسرت این است کہ انجمن در سال ہفتم دست بکار انتشار مجلہ زبان حال خودشد
،امیدی رود ان بہتر گواہ قدم ورسوخ در پیش رفت آمال منظور ھای اساسنامہ
انجمن باشد"۔

شہنشاہ رضا پہلوی کے دفتر سے یہ خط آتا ہے:

"مجلہ مذبور از شرف لحاظ انور شاہنامہ گذشت با امتثال فرمان مطاع
مبارک مراتب امتنان وتقدیر خامہ مطاہرہ راازز حمتی کہ جناب عالی راواولیای در
تہہ وانتشار این مجلہ متحمل شدہ ابداو بلاغ می نمایم"۔

ہندوستان میں مقیم تقریباً تمام سفرائے ایران نے انڈو ایرانیکا کی ستائش کی ہے اور اس
کی اہمیت کا کھل کر اعتراف کیا ہے اور اسے دنیا کے بہترین مجلوں میں شمار کیا ہے، چند کے
خیالات ملاحظہ ہوں۔

سفیر کبیر ایران محمد گدرزی کے مطابق:

"The Journal has, indeed, been instrumental to quite a great extent in acquinting its readers with the richers of Persian literature and promoting good will and understanding among the people of Iran and India and other countries".

دربار شاہی کے وزیر اسد اللہ عالم کے مطابق:

"The Indo-Iranica magazine which is known in all Iranologists circles of the world as one of the best of its kinds and which is welcomed everywhere with interest of zeal".

ہندوستان میں مقیم سفرائے ایران مثلاً آقای معتمدی، نوری اسفندیاری، اصغر علی

حکمت، فریدوں آدمیات، امیر تیمور، وحید مازندرانی، غلام رضا بخش تاج، دہ کوردی، ابراہیم
بہنام، شیخ عطار اور موجودہ سفیر کبیر ایران سیاواش زریعقوبی نے "انڈو ایرانیکا" کی نہ صرف
تعریف وتوصیف کی ہے بلکہ اس کے شماروں کی خریداری کرکے علم دوستی کا ثبوت بھی دیا ہے۔

اپنے ۶۲ سالہ ادبی وتحقیقی سفر میں "انڈو ایرانیکا" نے تقریباً ۵۹ شمارے شائع کیے جو
مجلوں کی دنیا میں ایک ریکارڈ ہے، اس رسالے کے اب تک ۳۶ خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں، ہر
نمبر کی ایک الگ اہمیت ہے جن میں البیرونی نمبر، ابن سینا نمبر، پہلوی نمبر، ٹیگور نمبر، ملا صدرا نمبر،
جادوناتھ سرکار نمبر، ڈاکٹر اسحاق نمبر، سلور جبلی نمبر، امیر خسرو نمبر، سعدی نمبر، حافظ نمبر، عمر خیام نمبر،
اقبال نمبر، ولیم جونس نمبر، گولڈن جبلی نمبر، میلینیم نمبر، انڈو ایران کلچر نمبر اور صوفی فتح علی ویسی نمبر
خاص ہیں، ان کے علاوہ سوسائٹی سے منسلک چند ارباب علم وہنر کی ادبی وعلمی خدمات کے لیے
یادگاری نمبر بھی شائع کیے گئے ہیں، "انڈو ایرانیکا" کے یہ نمبر پوری دنیا کے ادبی وعلمی حلقوں میں
دھوم مچا رہے ہیں۔

"انڈو ایرانیکا" نے اپنے ۵۹ شماروں میں فارسی کے ۲۹۲ مقالات شائع کیے ہیں جو
فارسی زبان وادب، تاریخ، جغرافیہ، اداریے، رپورتاژ، سمینار اور جلسوں کی روداد پر محیط ہیں،
اردو میں ۱۱- اور عربی میں ایک مقالہ اس رسالے کی زینت بڑھا رہے ہیں، انگریزی میں شائع
شدہ مقالات کی تعداد ۷۸۹ تک پہنچتی ہے، ان میں مقالات کے علاوہ ایران سوسائٹی نیوز،
صدارتی خطبے، مہمانوں کی تقاریر، یوم تاسیس کے پروگرام شامل ہیں، اس مجلے کے صفحات
ہندوستان میں مقیم ایرانی سفرا، کلچرل ہاؤس کے کاؤنسلرز اور دانش وران کی سوانح حیات اور
خدمات مع تصاویر شائع ہوتی رہی ہیں، اس قسم کی معلومات خود کلچرل ہاؤس اور سفارت خانہ،
ایران وہند میں بھی موجود نہیں ہیں، اس لحاظ سے ایرانی سیاست دانوں کی نظر میں بھی اس مجلے
کی کافی وقعت ہے۔

"انڈو ایرانیکا" کے مستقل فیچرز میں پرشین سین، آور سیلوز اور ایران سوسائٹی نیوز شامل
رہے ہیں، ان عنوانات کے تحت ایرانی زبان وادب، ایران کے تاریخی اور سیاسی حالات اور سوسائٹی
میں منعقد ہونے والی تمام جلسوں کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں، ان کے علاوہ "انڈو ایرانیکا"

ایرانی دانش وروں، سیاست دانوں، صحافیوں، موسیقاروں، فلم کے ہدایت کاروں کی آمد پران کے استقبالیہ کی مکمل روداد کا آئینہ ہے۔

"انڈوایرانیکا" کا ایک اور عظیم کارنامہ مختلف موضوعات کی کتابوں پر تبصرہ ہے، شمارہ ۵۶ تک ۱۸۸ کتابوں پر غیر جانب دارانہ تبصرے شائع کر کے اس رسالے نے کتابوں پر تبصروں کی دنیا میں کمال کر دکھایا ہے، تبصرہ نگاروں میں جسٹس خواجہ محمد یوسف، ہیرالعل چوپڑا، عبدالمجید، علامہ وحشت، مسعود حسن، عطا کریم برق اور طاہر رضوی جیسے بلند پایہ ادیبوں، محققوں اور دانش وروں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں، مبصروں نے مجلّہ کے معیار و وقار کا لحاظ رکھتے ہوئے جن کتابوں پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ ادب کی اس شاخ میں شاہ کار تسلیم کیے جاتے ہیں۔

"انڈوایرانیکا" کی دوسری خصوصیت اس میں شائع شدہ "وفیات" (OBITUARIES) ہے، اب تک ایران سوسائٹی نے جن حضرات کے انتقال پر ملال پر انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے تعزیتی جلسے کیے اور وفیات کے عنوان سے ان کے حیات و کارناموں کو تفصیل کے ساتھ اپنے جریدے "انڈوایرانیکا" میں شائع کیا، ان کی تعداد ۵۰ سے زیادہ ہے، وفیات لکھنے کے ماہرین میں جسٹس خواجہ محمد یوسف، ایم اے مجید اور ہیرالعل چوپڑا نے اس فن کا حق ادا کر دیا ہے، اب تک جن مشہور شخصیتوں پر تعزیتی نوٹ لکھے گئے ہیں، ان میں ڈاکٹر بی سی لاء، فضل الرحمان باقی، مسعود حسن، محمد اسماعیل، عباس علی خاں بیخود، طاہر رضوی، علامہ وحشت، سُنیتی کمار چٹرجی، ہیرالعل چوپڑا، روسی بی گیمی، عبدالحلیم، محمد اسحاق، کالی داس ناگ، جگدیش نارائن سرکار، سید صباح الدین عبدالرحمان، ہارون خاں رشید، تاراپوروالا وغیرہ شامل ہیں، سوسائٹی کے ایک اہم ستون اور سرپرست جسٹس خواجہ محمد یوسف کی وفات پر ایم اے مجید نے دل کو چھو لینے والا جو تعزیتی نوٹ لکھا ہے، وہ پڑھنے کے لائق ہے۔

انڈوایرانیکا کا فارسی سیکشن: یہ مجلّہ ذولسانی ہے یعنی انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے، اس کا فارسی سیکشن بھی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے، اس میں فارسی کے نام ور اور ممتاز عالموں کے ایسے معرکۃ الآرا مقالے شائع ہوئے ہیں جو دنیا کے بہت کم رسالوں میں پائے جاتے

ہیں، تاریخ کے مختلف ادوار میں ہندوایران کے روابط سے متعلق جو مقالے شائع ہوئے ہیں، وہ مستند ماخذ اور حوالوں کا کام دیتے ہیں، ڈاکٹر عطا کریم برق کے لکھے ہوئے اداریے وہ آئینہ ہیں جن میں ایران سوسائٹی کے تمام کارناموں کی جھلک ملتی ہے، سوسائٹی کے تحت ہونے والے سمیناروں، تمام جشن ملی و سمپوزیم کے علاوہ جشن فرخندہ شاہنشاہی ایران، جشن ہزارہ مربوط بہ ولادت ابن سینا، جشن فرخندہ دو ہزار پانصد مین سال بنیاد گذاری شاہنشاہی ایران کی روداد جس تفصیل سے پیش کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، عطا کریم برق کے قلم سے نکلے ہوئے ۲۵ اداریے ان کی ادارتی صلاحیت، زبان و بیان اور طرز تحریر کی خوبیوں کے غماز ہیں، پاکستان سے شائع ہونے والے رسالہ دانش ہو یا انجمن استادان فارسی کا بیاض، دہلی کا انڈوایران ہو یا ممبئی کا ایران لیگ کوئی رسالہ بھی "انڈوایرانیکا" کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

المختصر "انڈوایرانیکا" نے ہندوستان اور ایران کے درمیان تہذیبی اور ثقافتی تعلقات میں استحکام پیدا کرنے، فارسی زبان و ادب اور تہذیب کو فروغ دینے اور ہندوستان میں سیکولرزم کو بحال رکھنے میں جو خدمات انجام دی ہیں اور جو کام کر دکھایا ہے، وہ سیاست دانوں نے بھی نہیں کیا، ایران سے یا دنیا کے کسی بھی گوشے سے آنے والا وہ ہر شخص جس کو فارسی سے ذرا بھی لگاؤ ہے، ایک بار ایران سوسائٹی کی زیارت کرنے کی خواہش ضرور رکھتا ہے، اس طرح "انڈوایرانیکا" کی مقبولیت اور شہرت کا یہی سب سے بڑا راز ہے۔

اخبار علمیہ

ارسیسا نے اس سے قبل قرآن کریم کے دو قدیم تاریخی نسخے شائع کیے ہیں ایک فاضل پاشا مصحف جو سلجوقی فرماں روا طغرل بے کے نام سے منسوب ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء کا لکھا ہوا سراجیوو کے کتب خانہ غازی خسروبی (Ghazi Husrevbey) کی ملک میں تھا اور دوسرا عالم اسلام کا وہ پہلا قرآنی نسخہ جو ۱۸۰۳ء میں تارستان کے شہر کازان میں زیور طبع سے آراستہ ہوا تھا، اب استنبول کے اس مایہ ناز علمی ادارہ نے "المصحف الشریف" منسوب بہ عثمان بن عفانؓ (خلیفہ ثالث) کو شائع کیا ہے، اس نسخہ کی تحقیق و مراجعت کا کام ترکی گورنمنٹ میں مذہبی تعلقات کے سابق صدر اور اس وقت ڈپٹی پارلیمنٹ کے عہدہ پر فائز ڈاکٹر طیار التی کلیک کی سربراہی میں ہوا ہے، ڈاکٹر موصوف کو استنبول میں قرآنی علوم کا ماہر سمجھا جاتا ہے، اس محقق ایڈیشن کا مقدمہ اکمل الدین احسان اوغلو (سابق ڈائریکٹر ارسیسا) کے قلم سے ہے، اس کا اصل نسخہ ٹاپ کاپی پیلس میوزیم میں تھا اور اس کا شمار اس کے قدیم ترین مخطوطات میں ہوتا ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس قدیم ترین مصحف عثمانی کا بے حد متوازن مطالعہ اور ماہرانہ تجزیہ بھی کیا ہے اور شروع میں اس میں برتے گئے اصولوں اور حاصل شدہ دریافتوں کی وضاحت بھی کی ہے، نیز تلاوت قرآن اور قرآن مجید کے نادر مخطوطات کی تاریخ پر نہایت پُر از معلومات مواد کا اضافہ بھی کیا ہے، اس اہم نسخہ کی اشاعت و طباعت کے لیے ایچ، ایچ شیخ ڈاکٹر سلطان بن محمد القسیمی خدیوائے ای کی سپریم کونسل کے ممبر اور شارجہ کے حکم راں اور علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کرتے رہتے ہیں نے مالی تعاون کیا ہے۔

سعودی عرب کے ڈاکٹر عبداللہ الرشید نے حجاج کرام اور عمرہ کرنے والوں کے لیے "المطوف الالکٹروی" نام سے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس کا وزن ۳۰۰ گرام ہے، اس میں حج کے موقع کی آیتیں، رسول اللہؐ سے ثابت شدہ طواف و سعی کے طریقے اور اس دوران پڑھی جانے والی مسنون دعائیں موجود ہیں، اس آلہ سے ان زائرین حج کو بہت سہولت ہوگی جن کو

دعائیں اور طریقہ سعی و طواف یاد نہیں رہتے۔

برطانوی اخبار "ٹائمز" کی اطلاع ہے کہ بریڈ فورڈ کونسل آف ماسکس نامی تنظیم نے مسلمان طلبہ کو فدائیانہ حملہ سے باز رہنے کے مقصد سے "نیوٹی زن شپ کلاسز" کے نام سے نصاب تعلیم متعارف کرانے کا پروگرام بنایا ہے، عالم اسلامی کے دو سو مدرسوں میں اس نصاب کو پڑھایا بھی جارہا ہے اور قومی سطح پر اس کو مدارس اور اسکولوں میں پڑھانے کے لیے مالی امداد کی پیش کش بھی کی ہے، مذکورہ تنظیم نے ۵۰؍ائمہ کی تدریسی تربیت بھی کی ہے، سترہ سال تک کے طلبہ کے لیے انٹرنیٹ پر اس کے اسباق موجود ہیں، تاہم رپورٹ میں انٹرنیٹ کا پتہ درج نہیں ہے، اخبار میں اس نصاب کا مقصد انتہا پسندی کا مقابلہ کرنا بتایا گیا ہے۔

منامابحرین کے میوزیم بیت القرآن کا شمار دنیا کے مشہور اسلامی میوزیموں میں ہوتا ہے، اس میوزیم میں قرآن مجید کے ایسے نادر نسخے ہیں جن کا تعلق مختلف ادوار اور طرز کتابت سے ہے، نیز اس کے احاطہ میں ایک مسجد، ایک مدرسۃ القرآن اور نمائش کا ایک ہال ہے، اس کی تعمیر ۱۹۸۴ء میں شروع ہوئی اور اس کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۹۰ء میں عمل میں آیا، یوں تو میوزیم روایتی اسلامی فن تعمیر کا نمونہ ہے تاہم جدید طرز و آہنگ بھی لیے ہوئے ہے، اس کے پانچ شعبے ہیں، کھلے صحن میں ایک فوارہ اور ایک مینار ہے جو بارہویں صدی عیسوی کے طرز تعمیر کی یاد دلاتا ہے، اس کے بعض قرآنی مخطوطات چین اور اندلس سے حاصل کیے گئے ہیں، مزید اطلاع درج ذیل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہے:

http:llwww.baitalquran.com/

رسالہ "صراط مستقیم"، برمنگھم نے ایک فرانسیسی جریدہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امدادی اور رفاہی کاموں کے نام سے بنا کر ۱۶؍ ہزار عیسائی مبلغین دنیا کے ۱۷۰ ملکوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہیں، ان میں اکثر ممالک مسلمانوں کے ہیں، چند ماہ قبل طالبان کے زیر اثر علاقے میں جنوبی کوریا کے جو ۲۳ افراد یرغمال بنائے گئے تھے، مذکورہ فرانسیسی جریدہ کے مطابق ان کا تعلق بھی ان ہی عیسائی مبلغین سے ہے، جریدہ کا بیان ہے کہ افغانستان میں صرف جنوبی کوریا کے ۲؍ ہزار عیسائی مبلغ دین مسیح کی اشاعت میں سرگرم ہیں اور مصیبت زدہ اور سادہ

لوح افغانی مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ و بےزار کر رہے ہیں۔

عالمی جریدہ ''جرنل آف کلائمیٹولوجی'' کے حوالہ سے آئی پی سی سی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عام طور پر اب تک عالمی درجہ حرارت میں اضافہ یا ماحولیاتی آلودگی کا اصل سبب انسانوں کے ذریعہ کیے جانے والے سائنسی تجربات کو سمجھا جاتا رہا ہے، جس کے نتیجہ میں گلیشیروں کے پگھلنے اور رہائشی خطوں میں گرمی کے اضافہ کا عمل مسلسل جاری ہے لیکن خدا بےزار امریکی ماہرین نے اس پرخطر ماحولیاتی فساد کا اصل ذمہ دار قدرت کو ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ عالمی درجہ حرارت میں اضافہ فطری واقعہ ہے اور کسی انسانی مداخلت کے بغیر یہ خود بہ خود ہو رہا ہے، واضح ہو کہ امریکا موسمیات کے معاہدہ پر دستخط سے اکثر پہلوتہی کرتا رہا ہے۔

اسپین میں سلطنت اسلامیہ کے خاتمہ کے ۵۲۵ برس بعد شہر لاماگا میں پہلی مرتبہ عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی ہے، یہ ۶ ہزار مربع میٹر پر ہے، اس میں ایک ہزار مصلیوں کی گنجائش ہے، اس کی تعمیر میں ۲ برس لگے اور ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ یورو کی لاگت آئی ہے، جس کا زیادہ حصہ سعودی حکومت نے برداشت کیا ہے، مسجد میں جدید اسلامی مرکز بھی قائم کیا گیا ہے۔

سعودی پریس ایجنسی کی خبر کے مطابق مکہ معظمہ میں ۳ نومبر ۲۰۰۷ء کو سعودی فقہ کونسل کا شش روزہ اجلاس منعقد ہوا جس کا افتتاح گورنر مکہ خالد الفیصل اور صدارت مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز الشیخ نے کی، اجلاس میں ۷۰ علما اور مفتیان کرام نے شرکت کی اور عصر جدید کے متعدد مسائل پر تبادلہ خیال کیا، نیز امام کعبہ سمیت متعدد فضلا اور مفتیان عظام نے مقالے بھی پڑھے، اجلاس میں موبائل رنگ ٹون میں قرآنی آیت کا استعمال حرام اور پیدائش سے قبل نومولود کی جنس کی تشخیص بغیر طبی جواز کے ممنوع اور اسلام مخالف مہم کا جواب دینے کے لیے مسلم میڈیا پروگرام منعقد کرنے کے فیصلے ہوئے، افتتاحی اجلاس میں غیر مسلموں کے ساتھ مذاکرات کی ضرورت پر زور دیا گیا اور پاکستانیوں اور فلسطینیوں سے اپنے مسائل متحدہ طور پر حل کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔

ک۔ص اصلاحی

ادبیات

رباعیات

از:- جناب وارث ریاضی صاحب☆

ہے حسن عمل نوع بشر کا گہنا
اخلاص و محبت سے جہاں میں رہنا
انصاف کی تو بات یہی ہے اے دوست
بد خلق کو انسان کبھی مت کہنا

اس غازیِ گفتار میں کردار نہیں
ثروت ہے مگر صاحبِ ایثار نہیں
کیسے اسے انسان کہوں اے وارث
انسان نہیں وہ کہ جو غم خوار نہیں

تو صدق و صفا بھنگ نہ ہونے دینا
اخلاق کبھی تنگ نہ ہونے دینا
یہ دل ہے جو سرچشمۂ انوارِ ہدا
اس دل کو کبھی سنگ نہ ہونے دینا

تو جوہرِ اخلاق نہ کھوتا بیٹا
ماں باپ کی فرقت میں نہ سوتا بیٹا
پہلو میں جو ہوتا ترے، انسان کا دل
احسان فراموش نہ ہوتا بیٹا

غم کو ترے، آنکھوں میں سجایا میں نے
یادوں کو تری، دل میں بسایا میں نے
اے جان وفا! تیری محبت کی قسم
تیرے لیے ہر رنج اٹھایا میں نے

☆ کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج، ڈاک خانہ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن، بہار ۸۴۵۴۵۳۔

مطبوعات جدیدہ

اعلام المحدثین ومآثرهم العلمیه: از ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، مترجم مولانا سید جاوید احمد ندوی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۳۳۶، قیمت درج نہیں، پتہ: شرکۃ دار البشائر الاسلامیہ، ص ب ۵۹۵۵ - ۱۴، بیروت لبنان اور مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور، اعظم گڈھ۔

ائمہ اربعہ، محدثین صحاح ستہ اور امام طحاوی کے حالات اور ان کی محدثانہ شان وخدمات پر قریب چالیس سال پہلے زیر نظر کتاب کے فاضل مصنف نے محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے کے نام سے ایک کتاب سپرد قلم کی تھی، اس وقت معارف میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''لائق مصنف کو فن حدیث سے خاص مناسبت ہے'' انہوں نے خاص طور پر اس کتاب کے مقدمے کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ ''اس میں حدیث کی اہمیت وحجیت اور اس کے ضبط وتحفظ میں اہتمام واحتیاط کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا شافی جواب دیا گیا ہے'' زبان وبیان کی سلاست اور شگفتگی اور تحقیق میں محنت وجستجو کی داد بھی دی گئی تھی، کتاب کو ان خوبیوں کی وجہ سے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، مولانا عبدالماجد دریابادی، قاضی اطہر مبارک پوری، ماہر القادری اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی جیسے صاحب نظر علما وادبا نے بھی اس کی بڑی تحسین کی، یہ فاضل مصنف کی پہلی تصنیف تھی لیکن موضوع کی برکت نے ان کی آیندہ زندگی کے لیے خدمت حدیث کو اس طرح متعین کردیا کہ آج چالیس سال کے بعد وہ بذل المجہود فی حل ابی داؤد، اوجز المسالک شرح موطا مالک، التعلیق الممجد شرح الموطا بروایۃ امام محمد اور ظفر الامانی جیسی عظیم الشان کتابوں کے محقق ومدون کی حیثیت سے عالم اسلام میں ایک ممتاز محدثانہ شان وشناخت کے حامل ہیں، ہندوستان کے محدثین اور دوسرے اور حدیثی عنوانات سے ان کی کتابیں عالم عرب سے شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن ان سب کا سرآغاز کتاب محدثین عظام ہی ہے جس کے مقدمے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا تھا کہ

''مصنف ندوی ومظاہری خصوصیات کے جامع ہیں'' یہ پیش گوئی بھی کی تھی کہ ''ابھی تو وہ جواں سال عالم اور صحیح معنی میں دشت علم وتحقیق کے مسافر ہیں، ان کی عمر ومطالعہ کے ساتھ ان کی معلومات، علم ونظر کی وسعت اور تصنیف وتحریر کی پختگی ترقی کرے گی'' یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، محدثین عظام کے کئی ایڈیشن نکلے، عربی مدارس کے نصاب میں داخل ہوئی، فارسی زبان میں ترجمہ ہوا اور اب زیر نظر کتاب کی شکل میں اس کا بہت خوب صورت عربی ترجمہ بھی آگیا ہے، ترجمہ بھی اصل کتاب کی طرح سلیس ہے، ترجمہ کی خوش اسلوبی کی داد فاضل مصنف نے بھی اس پر نظر ثانی کرتے ہوئے دی ہے، اردو کی طرح اس عربی قالب کی مقبولیت بھی یقینی ہے۔

غالب احوال وآثار: از پروفیسر حنیف نقوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۴، قیمت ۲۵۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی-۲۔

غالب کے بعض احوال مثلاً سال ولادت، سفر کلکتہ، معارضہ کلکتہ اور چند آثار جیسے غالب کی ایک غزل اور مرزا یوسف، غالب سے منسوب ایک شعر اور تلامذہ غالب کے متعلق مضامین کا یہ مجموعہ قریب سترہ سال پہلے شائع ہوا تھا، احوال وآثار دونوں کے جامع دو اور مضامین بھی ہیں یعنی غالب کے عہد میں ڈاک کا نظام اور منشی نول کشور اور غالب، اول الذکر اور معارضہ کلکتہ اور تلامذۂ غالب ایک باز دید، طبع اول میں شامل نہیں تھے، ان تمام مضامین کی حیثیت گرچہ استدراک، تصحیح اور تحقیق مزید کی ہے لیکن معلومات کی وسعت اور اس کی روشنی میں صحیح نتائج کے ادراک نے ان تحریروں کو غالبیات میں ایک مستقل اور قائم بالذات بحث کی شان عطا کردی ہے، غالبیات کے ذخیرے میں بے شمار تحریروں کی موجودگی میں اس شان کا حصول آسان نہیں، فاضل مصنف کی تحقیقی صلاحیتوں کی داد، اکابر مشاہیر نے دی ہے، مالک رام نے تحقیق کی شرط اول وسعت معلومات قرار دی ہے اور ان کی نظر میں پروفیسر موصوف نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اسی محنت واحتیاط نے ان کی تحریر میں وقار اور ان کے نتائج فکر میں ایسا وزن پیدا کردیا ہے کہ باوجود اختلاف کے ان کی محنت کی قدر دل سے ہوتی ہے، غالب کے سال ولادت میں ان کے مختار قول کا بھی یہی حال ہے، غالب کے سوانح نگاروں کا عام اور پسندیدہ قول ۱۲۱۲ھ کا ہے لیکن غالب کے اشعار، خطوط، بیانات اور واقعات کی روشنی میں فاضل مصنف نے یہ سال ولادت ۱۲۰۸ھ بتایا

ہے لیکن اس دعوی میں بھی لہجہ، احتیاط ہی کا ہے، مثلاً ''اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہی زیادہ قرین صحت ہے'' غالب کا سفر کلکتہ، ان کے سوانح نگاروں کے لیے ایک دل چسپ موضوع ہے، اس سفر اور اس کی تفصیلات کا ماخذ ظاہر ہے، غالب کے بیان کردہ احوال ہیں، جا بجا ان بیانوں کے تضاد نے غبار راہ کو اس طرح کثیف کردیا کہ جس کو جو نظر آیا اسی کی روشنی میں نقوش سفر کا تعین کردیا، فاضل مصنف نے اس بحث کے آغاز میں یہ کہہ کر کہ غالب ثقہ اور معتبر راوی نہیں، مطلق پیروی غالب سے انکار کرکے، حقیقت کی بازیافت میں اخلاص نیت کا اظہار کردیا، خاندانی پنشن کے مقدمے کے سلسلے میں اس سفر کا مقصد مابہ النزاع نہیں لیکن سفر کے واقعات کی ترتیب و تفصیل میں ضرور پیچ و خم ہیں، ان کو مصنف نے بڑے سلیقے سے سلجھایا ہے، دوسرے مضامین بھی ان کی محققانہ بصیرت کے شاہد ہیں، غالب سے منسوب ضرب المثل کی طرح مشہور شعر ہے۔

چند تصویر بتاں، چند حسینوں کے خطوط   بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

اس کی تحقیق بہت دل چسپ ہے، نقوی صاحب کا خیال ہے کہ غالب کے دیوان کا اب تک کوئی ایسا نسخہ نہیں جو ان کے تمام کلام کا جامع اور الحاق و تصرف سے پاک ہو، اس خیال کے بعد انہوں نے ثابت کیا کہ یہ شعر اصلاً مرزا عاشق حسین بزم اکبرآبادی کا ہے، تلامذۂ غالب، وہ مشہور تذکرہ ہے جس کو جناب مالک رام نے مرتب کیا تھا، اس میں بعض معلومات کے نقص و عدم کو دیکھتے ہوئے فاضل مصنف نے جس دیدہ ریزی سے اصلاح اور اضافے کا فرض انجام دیا ہے وہ یقیناً اردو تحقیق کے طلبہ کے لیے ایک مثال ہے، اس اہم کتاب کے طبع نو کے لیے غالب انسٹی ٹیوٹ کی خواہش و کاوش قدر کے لائق ہے۔

مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ شاہ جہاں پوری: از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۴۶، قیمت ۲۲۰ روپے، پتہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-۴۔

قریب سو سال پہلے ہندوستان کے مذہبی اور سیاسی ماحول میں جن علما نے فکر کی پختگی اور رائے کی اصابت کے ساتھ کرداری عظمت کے نقوش ثبت کیے، ان میں مولانا کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم دہلوی کا نام بہت نمایاں ہے، جمعیۃ العلما جیسی موقر جماعت کے وہ بانیوں میں شمار ہوتے

ہیں اور اس کے پہلے صدر ہونے کا اعزاز بھی ان ہی کو حاصل ہوا لیکن تنظیمی اور سیاسی صلاحیتوں سے زیادہ ان کی عظمت، شریعت کے مسائل کے فہم میں تھی، ان کے فتاوی کا مجموعہ کفایت المفتی کے نام سے کئی جلدوں میں ہے اور ہزاروں مسائل پر مشتمل ہے، ان کی کتاب تعلیم الاسلام صرف بچوں کے لیے نہیں بڑوں کے لیے بھی آسان زبان میں اسلام کی تعلیمات سے واقفیت کے لیے ایسی کارآمد ثابت ہوئی کہ وقت گزرنے کے باوجود اب تک اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت برقرار ہے، افسوس ہے اس کتاب میں کفایۃ المفتی اور تعلیم الاسلام کا تعارف تفصیل سے نہیں، لیکن اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دو سو بیس صفحات میں فاضل مصنف نے مفتی صاحب کے سوانح، خدمات اور خدمات کے ذیل میں جمعیۃ علمائے ہند اور قریب بیس تحریکوں، شاعری اور اخلاف کے حالات اور اکابر کے اعترافات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، ایک حصہ آثار علمیہ و ادبیہ کے نام سے ہے جن میں حضرت مفتی صاحب کی چند تحریریں شامل ہیں، ان کے علاوہ ضمیمہ کے طور پر چند اور یادگار تحریروں کو بھی پیش کیا گیا، مجموعی لحاظ سے یہ ایک نہایت پاک زندگی کی جامع تصویر ہے، یہ حقیقت ہے کہ ایسی ہمہ جہت شخصیت کی خدمات پر بعد میں توجہ کم کی گئی بلکہ قریب قریب فراموش کردیا گیا، فاضل مصنف کے متعلق یہ تاثر برحق ہے کہ علمائے باعمل ان کی دل چسپی کا خاص موضوع ہیں اور ان میں بھی دیوبند بلکہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے سلسلے کے علما ان کی تحقیق کا خاص موضوع ہیں، یہ کتاب بھی یادوں کے اس سلسلہ زریں کی اہم کڑی ہے، بجا طور پر کہا گیا کہ یہ صرف سوانح عمری ہی نہیں بلکہ بعض اہم تاریخی دستاویزوں کا قیمتی مجموعہ بھی ہے، فاضل مصنف کے پیش لفظ، ڈاکٹر ریاض الرحمان خاں شروانی اور ڈاکٹر امتیاز احمد کی تعارفی تحریروں نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں اور اضافہ کیا ہے، کتاب کے آخر میں صفحات مکرر آگئے ہیں۔

مولانا صدر الدین اصلاحی، حیات و خدمات: از انجمن طلبہ قدیم، مدرسۃ الاصلاح، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۵۰۴، قیمت ۲۶۰ روپے، پتہ: انجمن طلبہ قدیم، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ اور مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی۔

۱۹۹۸ء میں مولانا صدر الدین اصلاحی کا انتقال ہوا تو صرف مدرسۃ الاصلاح یا جماعت اسلامی ہی نہیں ملک و ملت کو اس کا غم تھا کہ یہ دین کی تڑپ اور ملت کی سربلندی کی تمنا رکھنے والے

ایک ایسے عالم کی جدائی تھی جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی خدمت کے لیے وقف تھا، خاص طور پر قرآن مجید کے معانی و مفاہیم پر ان کی گہری نظر کا زمانہ معترف تھا اور یہ احساس بھی بے جا نہیں کہ ان کی قدر جیسی کی جانی چاہیے ویسی شاید نہ ہوئی اور اس میں غالباً ان کی طبع خاموش و کم آمیز کا بھی حصہ ہے، ورنہ مدرستہ الاصلاح نے ملت کو علما و مفکرین کی شکل میں جو خزانہ عطا کیا ہے اس میں مولانا مرحوم کی حیثیت ایک بیش قیمت جوہر کی ہے وہ واقعتہً صدر الاصلاحیین تھے، ایسے جلیل القدر عالم و مصنف کو یاد کرنے کا سب سے زیادہ حق مدرستہ الاصلاح کو تھا اور خوشی ہے کہ اس کے ابنائے قدیم کی انجمن نے یہ حق ۲۰۰۶ء میں ایک سمینار کے ذریعہ بہ حسن و خوبی ادا کیا، سمینار میں فاضلین اصلاح کے علاوہ پروفیسر سید عبد الباری، پروفیسر سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی اور جناب ابوالکرم عرفان وغیرہ نے بھی شرکت کی، زیر نظر کتاب میں اسی سمینار کے قریب تیس مقالات و خطبات شامل ہیں جن میں مولانا کی قرآنی بصیرت، حدیث شریف سے تعلق، معاشی نظریات، مدرستہ الاصلاح، تحریک اسلامی جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی، اس کے علاوہ مولانا کی بعض اہم کتابوں، تیسیر القرآن، تلخیص تفہیم القرآن، قرآن مجید کا تعارف، معرکہ اسلام و جاہلیت کو بھی موضوع بحث بنایا گیا، مولانا کے اسلوب نگارش اور ترجمہ نگاری پر بھی مضامین پیش کیے گئے، ترجمہ نگاری کے مضمون سے معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم نے حجۃ اللہ البالغہ کا جزوی ترجمہ بھی کیا تھا اور یہ افادات شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا، اس کے علاوہ شاہ صاحب کی ایک اور مشہور کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کا ترجمہ بھی کیا تھا جو اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ کے نام سے شائع ہوا، مجموعی طور پر اس کتاب کی شکل میں مولانا کی خدمات اور بے شبہ عظیم خدمات کا ایک جامع مرقع سامنے آگیا، البتہ صفحات غیر مرتب ہوگئے ہیں، چند صفحات تو غائب ہیں۔

دنیا کو خوب دیکھا: از پروفیسر محسن عثمانی ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۱۵، قیمت ۱۸۰ روپے، پتہ: قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، بی-۳۵، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳۔

امریکہ، انگلستان، اردن و ایران اور روم (ترکی) و مصر و شام کا یہ سفرنامہ بظاہر سفرناموں کی فہرست میں ایک اور روداد سفر ہے لیکن عنوان ہی سے اس کی انفرادیت ظاہر ہے، اکبر کے اس

مشہور شعر کہ

وقت طلوع دیکھا، وقت غروب دیکھا
اب فکر آخرت ہے، دنیا کو خوب دیکھا

سے عنوان کا اقتباس پورے سفر کی روح کا غماز ہے، امریکہ کا سفرنامہ زیادہ طویل ہے، یہ سفر وہاں کی حکومت کی دعوت پر ہوا، اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس پر تنقید بھی کی، تاہم باضمیر و غیرت مند مہمان نے سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کے اظہار میں کوتاہی نہیں کی اور اس سفر کے نتیجے میں ایسے حالات سے باخبر ہونے کا موقع ملا جن سے کم لوگ ہی واقف ہیں، مثلاً یہ کہ امریکہ کے باشندوں کی عام معلومات بہت کم ہیں، بہت سے لوگوں نے اسلام کا لفظ صرف ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد سنا تھا، مصنف کو اسلام کا درد ودیعت ہوا ہے، پورے سفرنامے میں اسی درد کا اظہار ہے، ایک جگہ لکھا کہ "اب عہد جدید کے تاتاریوں کو پھر سے دعوت اسلام کے تیروں سے شکار کرنے کی ضرورت ہے" یہ بھی لکھا کہ "امریکہ میں بہت سے اسلامی تنظیمیں ہیں لیکن بے چین روح رکھنے والے داعی کم ملتے ہیں" امریکہ کی مادی ترقی کا جہاں انہوں نے اعتراف کیا ہے وہیں اس کی اصل وجہ بھی بیان کردی ہے کہ تعلیم ان کی ترقی کا راز، استاذ اور طالب علم، کتاب اور کلاس روم ہر ترقی کی عمارت کا سنگ بنیاد ہیں اور امریکی باشندوں کو یہ راز معلوم ہے، چھوٹے چھوٹے جملوں میں انہوں نے بڑے کام کی باتیں کہہ دی ہیں جیسے یہ جملہ کہ "پورے مغربی تمدن کی سرشت تاجرانہ ہے، امریکہ میں یہاں کے دستور کی اصل کاپی موجود ہے لیکن اصل بائبل دنیا کے کسی میوزیم میں موجود نہیں، اس کے ترجمے کے ترجمے ہیں، اس قدر غیر محفوظ مذہب کے ذریعہ خدا پر ایمان، خدا کی مرضیات تک پہنچنے کا راستہ نہیں"، یہی انداز پورے سفرنامے میں ہے، حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان کا مشاہدہ اگر تیز اور ذہن زرخیز ہو تو وہ قدم قدم پر کائنات کے اسرار کی حیرت زائیوں کے سامنے دم بہ خود تماشائی بن جاتا ہے، تسخیر کائنات میں یوروپی قوموں نے خدا کے عطا کردہ دماغ کا جس طرح استعمال کیا اور جس طرح انہوں نے ہر قریہ کو مانند فردوس بنانے کی کوشش کی، فاضل مصنف اس سے متاثر ہوئے لیکن مرعوب نہیں ہوئے ان کی نظر میں یورپ کی ترقی کا راز اس کی وقت کی قدردانی میں پنہاں ہے، ترکی میں

جب وہ قسطنطنیہ گئے تو وہ اس کے ماضی اور تاریخ کی عظمتوں کو یاد کر کے یہ کہنے پر مجبور ہوئے ک مدتوں سے مسلمانوں میں جہاد اور اجتہاد کا مزاج ختم ہوگیا ہے، عالم اسلام کی پامالی اور سامرا سازشوں سے خستہ حالی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، مصنف ایک صاحب ذوق ادیب ہیں، شا مزاج بھی ہیں اس لیے ان ملکوں کے حسن دلفریب نے بھی ان کی نگاہوں کو اپنی جانب متوجہ اور ایسے مقامات پر ان کا قلم بھی بے خود اور سرشار ہوگیا، کہیں کہیں تو یہ لے فسانۂ آزاد اور کہسار کی یاد دلاتی ہے، مثلاً شام کے ذکر میں ان کے قلم کی رعنائی ملاحظہ ہو" شام، باعث بیزئی مشام ہے، شام مرکز خوبان گل اندام ہے، شام رونق صبح وشام ہے، شام اس دنیا کا جلو ہے، شام پسند حضرت خیر الانام ہے، شام بزبان رسالت کنانۃ الاسلام ہے، شام سب کے باعث احترام ہے" پیش لفظ میں کہا گیا کہ سفرنامہ کی صنف نے افسانے، ناول، خاکہ نو سوانح نگاری کو دلکشی میں پیچھے چھوڑ دیا ہے، پروفیسر عبدالباری کی اس رائے سے اختلا جاسکتا ہے لیکن اس سفرنامے کو پڑھنے کے بعد اس خیال کی ہم نوائی جائز ہو جاتی ہے، و سفرنامہ اردو کے ادبی ذخیرے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

معجم مصطلحات حدیث: از مولوی سید احمد زکریا غوری ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۲۰۴، قیمت ۷۰ روپے، پتہ: مکتبۃ الشباب، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ لکھنؤ۔

حدیث کے اصول اور مصطلحات پر اردو میں کتابیں کم ہیں اور یہ زیادہ تر ان علموں کے کام کی ہیں جن کا تعلق مدارس وجامعات عربیہ سے ہے، عام اردو قاری کے لی زبان واسلوب میں چند ہی کتابیں ہیں، یہ کتاب بھی اسی فہرست میں آتی ہے، معجم کی ش حروف تہجی کی ترتیب اور جامعیت اس کی نمایاں خوبی ہے، اصلاً یہ ایک عربی کتاب کا تر تاہم کامیاب ترجمے اور ترجمانی نے اصل اور نقل کے فرق کو محسوس نہیں ہونے دیا، کتاب کی میں کوئی شک نہیں

ع-ص

☆☆☆☆☆